27 نومبر تا 3 دسمبر 2008ء/28 ذوالقعدہ تا 4 ذوالحجہ 1429ھ

ایمان اور توکل

ایمان کا سب سے بڑا ثمرہ توکل ہے، یہ یقین کہ میرے لیے کچھ نہیں ہوگا جب تک اللہ کی توفیق شامل نہ ہو۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کی راہ میں قدم بڑھانے والوں میں یہ وصف ہونا ضروری ہے۔ اگر اپنی ذہانت، اپنی فطانت، اپنی صلاحیت، اپنی منصوبہ بندی، اپنے زورِ بازو پر تکیہ ہے تو سمجھ لیجئے کہ قدم رکھنے سے پہلے ہی ناکام ہو گئے۔ اپنی قوت کی نفی کرنا یہ ہوگا کہ میرے کئے کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں تو اللہ کی توفیق، اللہ کی تائید، اللہ کی نصرت کے بھروسہ پر اس راہ میں قدم رکھ رہا ہوں۔ توکل اُسی کی ذات پر ہے، اپنی ذات پر نہیں، اپنے علم پر نہیں، اپنے فہم پر نہیں، اپنی محنت پر نہیں، اپنی مشقت پر نہیں، اپنی کوشش پر نہیں۔ کسی شے پر کوئی بھروسہ نہ ہو، صرف اللہ پر یقین ہو۔ توکل کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہوتا جب تک کسی کام کے لیے تمام مادی اسباب ہونے کے باوجود بھی آپ کو یہ یقین نہ ہو کہ ان سے کچھ نہ ہوگا، بلکہ یقین یہ ہو کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا۔ دیا سلائی آپ کے پاس ہے اور سوکھا کاغذ بھی ہے، آپ جانتے ہیں کہ دنیا کا جو قانونِ طبعی ہے اور جو مادی اسباب ہیں وہ رکاوٹ نہیں بن سکتے، آپ ماچس سے کاغذ جلا سکتے ہیں، لیکن پھر بھی آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ میں نہیں جلا سکتا اگر اللہ نہ چاہے۔ اور اگر اللہ چاہے تو دیا سلائی کے بغیر بھی کاغذ جل جائے گا۔ یہ یقین اگر نہیں ہے تو ایمان نہیں ہے۔ پھر تو ایمان ہے مادی اسباب و وسائل پر جن پر آپ کا اعتماد، تکیہ اور توکل ہے۔ اگر مادی اسباب و وسائل پر آپ کو بھروسہ اور توکل ہے تو درحقیقت آپ مؤمن بالمادہ ہیں۔ آپ کا ایمان ہے مادہ پر اور مادی، عادی اور طبعی قوانین پر۔ جب کہ توحید یہ ہے کہ ''اللہ ہی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (کوئی کارساز نہیں) لہٰذا اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔''

توحید عملی

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

ہماری عدلیہ

دینی تقاضے اور
رفقائے تنظیم اسلامی کے لیے بنیادی لائحہ عمل

عائلی قوانین کے ضمن میں صحیح طرزِ عمل

انسانیت کے مسائل اور خطبہ حجۃ الوداع

آوازِ خلق......

خوئے غلامی

فرینڈلی فائرنگ اور 'زندہ' قوم

دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

سورۃ الاعراف

(آیات:28تا29)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾
قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾

’’اور وہ جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ کہہ دو کہ اللہ بے حیائی کے کام کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیتا۔ بھلا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رُخ کیا کرو اور خاص اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کو پکارو۔ اُس نے جس طرح تم کو ابتدا میں پیدا کیا تھا اُسی طرح تم پھر پیدا ہو گے۔‘‘

اور جب یہ بے حیائی کا کام کرتے ہیں یعنی عریاں طواف کرتے ہیں (اور انہیں اس بے حیائی سے روکا جاتا ہے) تو کہتے ہیں ہم نے اپنے آباء واجداد کو ایسے ہی کرتے پایا۔ اور جب ہمارے بڑے ایسا کرتے تھے تو یہ اس بات کا مظہر ہے کہ یقیناً اللہ نے ہی اس کا حکم دیا ہوگا، گویا یہ اُن کے نزدیک واقعاتی شہادت (Circumstancial evidence) تھی کہ جب ایک کام اتنے عرصے سے ہوتا چلا آ رہا ہے تو ضرور اللہ ہی نے کہا ہوگا۔ اے نبی ﷺ! ان کو کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ وہ چیز لگا رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

اے نبی ﷺ! ان کو کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو حکم دیا ہے انصاف، عدل اور توازن کا اور یہ کہ نماز کے وقت (اور نماز پڑھنے کی جگہ) اپنے رخ سیدھے کر لیا کرو۔ یہاں مسجد اسم ظرف زمان بھی ہے اور اسم ظرف مکان بھی ہے۔ اور اُسی کو پکارا کرو، اسی سے دعا کیا کرو، تمہاری اطاعت خالص اُسی کے لیے ہو۔ یعنی اللہ سے دعا کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ اُس کی اطاعت اپنے اوپر لازم کر لو۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا ’’جب میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو آپ انہیں بتا دیجئے کہ میں قریب ہوں، میں تو پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔ اُس کی دُعا قبول کرتا ہو، (لیکن) اُسے بھی چاہیے کہ میرا کہنا مانے‘‘۔ اور یہ اطاعت جزوی مطلوب نہیں بلکہ اسلام کے سارے احکام کو قبول کرنا ہوگا۔ ﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ ’’پس دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ‘‘۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے اور اطاعتیں بھی ہو سکتی ہیں، مثلاً والدین کی اطاعت، استاد کی اطاعت، حکام کی سب اطاعت وغیرہ مگر یہ سب اطاعتیں اطاعت خداوندی کے ساتھ مشروط ہوں گی۔ اگر کسی شخص کی طرف سے وہ حکم آئے جو اللہ کی نافرمانی کا تقاضا کرتا ہو تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ’’لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق‘‘ یعنی ’’مخلوق میں سے کسی کی بھی ایسے معاملے میں اطاعت نہیں کی جائے گی جس میں خالق کی نافرمانی ہو رہی ہو‘‘۔ آخر میں فرمایا کہ جیسے اُس نے تمہیں ابتدا سے پیدا کیا تھا، اسی طرح تم دوبارہ بھی پیدا کئے جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ تم جواب دہی کے احساس سے کبھی غفلت نہ کرو۔ یہ دوبارہ پیدا کرنا اعمال کے حساب کتاب کے لیے ہوگا۔

فرمان نبوی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اعتدال اور اخلاق حسنہ کی فضیلت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اِنَّ الْهَدْيَ الصَّالِحَ وَالسَّمْتَ الصَّالِحَ وَالْاِقْتِصَادَ جُزْءٌ مِّنْ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ)) (رواہ ابوداؤد)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’بے شک باطنی سیرت کا اچھا ہونا، ظاہری اخلاق و عادات کا عمدہ ہونا اور میانہ روی (افراط و تفریط سے بچ کر رہنا) یہ (اوصاف) نبوت کے پچیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں اسلام کی جامع تعلیمات میں سے تین چیزوں کا ذکر ہے جو اوصاف نبوت میں سے ہیں۔ اول باطنی خوبیاں یعنی حسن ظن، نیک نیتی اور خلوص وغیرہ دوم ظاہری اخلاق و آداب انکساری، سلیقہ شعاری، خوش اطواری اور نرم مزاجی وغیرہ، سوم اعمال میں میانہ روی، خیر الامور اوسطھا، درمیانی چال ہی پسندیدہ ہے حتیٰ کہ اللہ کی عبادت نماز روزہ وغیرہ اور مال صرف کرنے میں بھی میانہ روی ہی پسندیدہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہماری عدلیہ

مارکسزم پر بات کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا: مارکسزم + خدا = اسلام۔ عدل کے موضوع پر لکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے اسلام - عدل = بے روح جسم۔ اس لیے کہ اسلام نام ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا۔ عدل کی ضد ظلم ہے۔ اس سے مراد کسی شے کو اس کے مقام سے زیر و زبر کرنا ہے۔ اسی حوالہ سے اللہ رب العزت نے شرک کو عظیم ظلم قرار دیا ہے۔ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (سورۂ لقمان، آیت 13 کا جز) خالق کو اِس کا مقام نہ دینا ظلم ہے اور وقتی طاقت یا اقتدار کے زور پر اس کی مخلوق کے حق کو باطل طریقے سے کھا جانا خلافِ عدل ہے۔ لہٰذا عدل کی عدم دستیابی سے اسلام نام کا تو ہو سکتا ہے حقیقی معنوں میں اور عملی طور پر ناپید ہوگا۔ کیونکہ اللہ اور بندوں میں سے کسی کا حق بھی ادا نہیں کیا جا سکے گا۔ عدلیہ کی آزادی اور عادل ججوں کے حوالہ سے پاکستان کا آغاز کچھ ایسا برا نہ تھا۔ میاں عبدالرشید پاکستان کے غالباً پہلے یا دوسرے چیف جسٹس تھے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے وزیر اعظم ہاؤس میں کچھ غیر ملکی مہمانوں کی تواضع کے لیے چائے کا بندوبست کیا۔ پروٹوکول کے مطابق چیف جسٹس آف پاکستان کو بھی دعوت دی گئی۔ جواباً چیف جسٹس نے وزیر اعظم کو ایک خط لکھا، جو حکومت کے ریکارڈ میں اب بھی موجود ہے۔ انہوں نے لکھا کہ میں آپ کی دعوت پر چائے پر ضرور حاضر ہوتا، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت آپ کی حکومت کے خلاف میری عدالت میں ایک کیس زیر سماعت ہے۔ اس دوران میری آپ سے ملاقات یا وزیر اعظم ہاؤس میں حاضری عدل کے تقاضوں کے خلاف ہوگی، لہٰذا میری معذرت قبول فرمائیں۔

مولوی تمیز الدین بنام گورنر جنرل ملک غلام محمد، یہ تھا وہ کیس جس سے ہماری عدلیہ کے سیاہ دور کا آغاز ہوا۔ جسٹس منیر جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق نہ کہہ سکا۔ یہ آغاز تھا۔ بعد ازاں فوجی طالع آزما آئین اور قانون کو بھاری بوٹوں تلے روندتے رہے اور ہماری عدلیہ پی سی او کے جھولے میں فضاؤں میں تیرتی رہی۔ ارکانِ عدلیہ لمبا چغہ اوڑھے، خصوصی ٹوپی پہنے، جھنڈا میز پر سجائے خود کو جسٹس اور چیف جسٹس کہتے رہے، لیکن آمریت کی سیاہ رات مزید گہری اور طویل ہوتی چلی گئی، تا آنکہ چوہدری محمد افتخار نامی ایک پی سی او جج کے ضمیر نے جھرجھری لی۔ وہ غفلت کی نیند سے اچانک بیدار ہوا اور از خود نوٹس لے کر عوامی مفاد کے حق میں فیصلے کرنے لگا۔ اس نے حکمرانوں سے پوچھا، بتاؤ، لاپتہ افراد کدھر ہیں، کس قانون کے تحت انہیں دوسرے ممالک کے حوالے کیا گیا ہے؟ بتاؤ، سٹیل مل اونے پونے کیوں فروخت کی گئی ہے؟ یہ نج کاری ٹرانسپیرنٹ کیوں نہیں ہے، کن افراد کو نوازا گیا ہے؟ بتاؤ چک شہزاد میں الاٹ کیے جانے والے پلاٹوں کو رہائشی پلاٹوں میں کیسے تبدیل کر لیا گیا ہے جبکہ الاٹمنٹ کی شرط یہ تھی کہ انہیں نرسری لگانے اور سبزیاں کاشت کرنے کے لیے الاٹ کیا گیا تھا۔ اس بندۂ خدا نے قرآن سے شادی' کاروکاری جیسی غیر اسلامی رسوم کے خلاف از خود نوٹس لیا۔ آئی جی پولیس کو، جسے صوبے کی قسمت کا مالک سمجھا جاتا ہے، عدالت میں طلب کر کے ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اس غیر معمولی طرزِ عمل سے اقتدار کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ فرعونِ وقت نے اسے اپنے دربار میں طلب کر کے اُس سے استعفا طلب کیا، لیکن چوہدری محمد افتخار کے اندر کا انسان جاگ اٹھا تھا۔ اندر روشن ہو جائے تو ڈر یا خوف جیسے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ فرعونی حربے استعمال کر کے چوہدری محمد افتخار سے منصب اور عہدہ چھین لیا گیا۔ جاہل حکمران نہیں جانتے تھے کہ بڑائی، عزت اور توقیر کا رشتہ انسانیت سے ہوتا ہے۔ جب چوہدری محمد افتخار کا چغہ، جھنڈا اور عصا اس سے چھین لیا گیا تو سولہ کروڑ عوام کی محبت اور چاہت اس پر نچھاور ہوئی اور عظمت اس پر (باقی صفحہ نمبر 19 پر)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ
لاہور

ندائے خلافت

جلد 17
27 نومبر تا 3 دسمبر 2008ء
28 ذوالقعدہ تا 4 ذوالحجہ 1429ھ
شمارہ 46

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت

سید قاسم محمود - ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان - محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 10 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......300/روپے
بیرونِ پاکستان

انڈیا----------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

فلسفہ و مذہب

[بالِ جبریل]

یہ آفتاب کیا یہ سپہرِ بریں ہے کیا؟   سمجھا نہیں تسلسلِ شام و سحر کو مَیں

اپنے وطن میں ہوں کہ غریب الدّیار ہوں   ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کو مَیں!

کھلتا نہیں مرے سفرِ زندگی کا راز   لاؤں کہاں سے بندۂ صاحب نظر کو مَیں!

حیراں ہے بوعلی کہ میں آیا کہاں سے ہوں   رُومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو مَیں!

"جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو مَیں"

فلسفہ اور مذہب کے مابین کیا فرق ہے؟ اپنے مقاصد کے اعتبار سے یہ ایک دوسرے کے متضاد کیوں نظر آتے ہیں؟ اِن کے مقاصد میں کیا فرق ہے؟ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فلسفہ اصولی طور پر اشیاء کی تخلیق، ماہیت اور ان کی غرض وغایت کے بارے میں تعقل اور استدلال کے حوالے سے علم کا نام ہے، جبکہ خالص عقیدہ، یقین اور ایمان مذہب کے بنیادی اجزاء ہیں۔ اقبال نے پانچ اشعار کی اس مختصر سی نظم میں بہت عمدگی کے ساتھ فلسفہ اور مذہب کے فرق کا تجزیہ کیا ہے۔ چوتھے شعر میں بوعلی سینا کو فلسفے کا نمائندہ اور مولانا رومی کو مذہب کا ترجمان قرار دیا ہے۔ اقبال نے اپنی اِس نظم کے پہلے تین شعروں میں دو بنیادی سوال پیش کیے ہیں، جن میں سے ایک کا تعلق فلسفے سے ہے اور دوسرے کا مذہب سے۔

1۔ یہ اجرام فلکی، یہ سورج، چاند اور ستارے کہاں سے آئے ہیں؟ خود آسمان کیا چیز ہے، کہاں سے آیا ہے؟ یہ سب کیونکر پیدا ہوئے؟ دن اور رات کا تسلسل کیسے قائم ہوا؟ زمان ومکاں کی حقیقت کیا ہے؟ یہ سب میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

2۔ یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ اِس مقام کو، جہاں میں بُود و باش اختیار کیے ہوئے ہوں، اپنے وطن سے تعبیر کروں یا یہ سمجھوں کہ میرا کوئی وطن اور کوئی گھر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے صحرا اور گھر مجھے ایک ان جانے خوف میں مبتلا رکھتے ہیں۔

3۔ ہر چند کہ میرا سفر جاری ہے اور زندگی بسر کر رہا ہوں، لیکن اس کے اغراض ومقاصد سے بے بہرہ ہوں۔ دُکھ تو یہ ہے کہ کوئی ایسا صاحبِ فکر رہنما بھی نہیں ملتا جو مجھے اصل حقیقت سے روشناس کرا سکے کہ زندگی کا بنیادی مقصد کیا ہے اور میرے وجود کی غرض وغایت کیا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں فلسفیوں کی سوچ ایک سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔

4۔ مذہب اور فلسفے کی ان بنیادی سوالوں کو اقبال نے ابن سینا اور مولانا رومی کی زبان سے ادا کیا ہے۔ ابن سینا حیران ہیں کہ میں کہاں سے آیا ہوں اور مولانا رومی حیران نہیں، لیکن سوچ رہے ہیں کہ میری منزلِ مقصود کہاں ہے۔ یہ امتیاز صرف اقبال ہی پیدا کر سکتے تھے۔ اربابِ علم کے لیے یہ اشارہ کافی ہے۔

سوال یہ ہے کہ رومی کیوں حیران نہیں ہیں؟ اس لیے کہ وہ اِس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ عقل حقائق کے انکشاف کی اہلیت نہیں رکھتی۔ وہ جانتے ہیں کہ عقل کا سرمایہ سوائے تشکیک اور ظن وتخمین کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وہ بخوبی واقف ہیں کہ عقل حریم ناز میں بار نہیں پا سکتی، اس لیے انہوں نے عقل کی بجائے عشق کو اپنا رہنما بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ:

بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم   دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

اقبال نے، اِسی حقیقت کو اِس شعر میں پیش کیا ہے:

خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اِس فکر میں رہتا ہوں، میری انتہا کیا ہے

مطلب یہ ہے کہ مذہب انسان کی توجہ اِس طرف مبذول کرتا ہے کہ مقصدِ حیات کیا ہے؟ انسانی جدوجہد کی انتہا کیا ہے؟ اِس کے ذریعے مقصدِ حیات اُس کے علم میں آ جاتا ہے۔

5۔ یہ شعر غالب کا ہے اور اقبال نے اپنی مخصوص فکر کے باوجود، اجتہاد کے ساتھ اِسی شعر سے رہنمائی حاصل کی ہے۔ اس کے ذریعے وہ ایک منطقی نتیجے پر بھی اِس طرح پہنچتے ہیں کہ منزل تک پہنچنے کے لیے جو راہرو سامنے آتا ہے، اُس کے ساتھ تھوڑی سی مسافت ضرور طے کر لیتا ہوں۔ لیکن جلد ہی یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ابھی تک گم کردہ راہ ہوں۔ اقبال نے غالب کے اِس شعر پر تضمین کی ہے۔ "بالِ جبریل" میں پہلا مصرع یُوں ہے:

جاتا ہوں تھوڑی دُور، ہر اِک راہرو کے ساتھ

لیکن دیوانِ غالب میں یہ مصرع یُوں ہے:

چلتا ہوں تھوڑی دُور، ہر اِک تیز رَو کے ساتھ

ہمارے دینی تقاضے اور رفقائے تنظیم اسلامی کے لیے بنیادی لائحہ عمل

تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کا اختتامی خطاب

[سورۃ الحج کی آیات 77، 78 کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس کی توفیق کے سہارے ہم یہ اجتماع منعقد کر سکے۔ اجتماع کے انعقاد میں جن لوگوں نے محنت کی، وہ بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اجتماع کے منتظمین اور جان و مال کا انفاق کر کے آنے والے تمام شرکاء کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ دراصل یہ اجتماع تذکیر اور یاددہانی ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں اپنی باطنی بیماریوں کی اصلاح اور فکر تنظیم کی تازگی کا موقع ملا ہے۔ ہم جس فکر کی دعوت دے رہے ہیں، یہ پورے قرآن میں پھیلی ہوئی ہے، تاہم سورۃ الحج کی آیات 78,77 کی مدد سے اس کو مختصراً سمجھا جا سکتا ہے۔ اِن آیات میں ہماری دینی ذمہ داریوں کی چار سطحیں بیان کی گئی ہیں۔

دینی ذمہ داریوں کی پہلی سطح کیا ہے؟ اس کی بابت فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾

”مومنو! رکوع کرتے اور سجدے کرتے رہو۔“

یہاں نماز کا ذکر کر کے گویا ارکان اسلام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ارکان اسلام وہ چیزیں ہیں جو ہر مسلمان کو معلوم ہیں خواہ وہ اُن پر عمل کرے یا نہ کرے۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ نماز فرض ہے۔ ماہِ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ صاحبِ استطاعت پر حج فرض ہے۔ صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ یہ ہماری دینی ذمہ داریوں کی پہلی سطح ہے جس سے ہر آدمی آگاہ ہے، مگر افسوس کہ اس کے بعد کی تین سطحیں ہمارے حافظے سے ہی محو ہو گئی ہیں۔ ہمیں اِن کا شعور ہی نہیں رہا۔

دینی ذمہ داریوں کی دوسری سطح کیا ہے؟ فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ﴾

”اپنے رب کی بندگی (غلامی) کرو“۔

بندگی سے کیا مراد ہے؟ اس کو قرآن ایک دوسرے انداز سے واضح کرتا ہے۔ جا بجا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ ”اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول“ ”اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی“۔ جب تم نے اللہ کو اپنا رب اور اس کے رسول ﷺ کو رسولِ برحق مان لیا تو اب لازم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اُن کا کہا مانو۔ رسول ﷺ کی اطاعت اصل میں اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ اللہ کی بندگی نام ہے جذبہ محبت کے ساتھ اُس کی کامل اطاعت کا، یعنی جس کام کے کرنے کا اُس نے حکم دیا ہے آدمی اسے انجام دے اور جس سے منع کیا ہے اس سے رک جائے۔

دینی ذمہ داریوں کی تیسری سطح کیا ہے؟ فرمایا:

﴿وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

”اور نیکی (اور خیر) کے کام کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ“۔

نیکی میں بہت سے امور آتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد خدمت خلق ہے یعنی دوسروں کے کام آنا، کسی کو تکلیف میں دیکھ کر اس کی تکلیف کو رفع کرنا، اس کے لیے بھاگ دوڑ کرنا، دوسروں سے ہمدردی کرنا، یہ سب خدمت خلق کے کام ہیں۔ اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلا دینا، کوئی قرض کے بندھن میں جکڑا ہوا ہو تو اس کی اتنی مدد کرنا کہ قرض سے نجات پا جائے، یہ بھی خدمت خلق ہے۔ غلاموں کو آزاد کرنا بھی مخلوق کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اگر آدمی مخلوق کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اُس میں انسانی ہمدردی، ایفائے عہد اور امانت داری کے اوصاف موجود ہیں، تو گویا یہ اُس کی خاموش دعوت ہے۔ اِس کے برعکس اگر وہ دعوت دے رہا ہے لیکن انسانی ہمدردی اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے محروم ہے، اگر کوئی شخص روز مرہ زندگی میں عہد و پیمان کا پابند نہیں اور امانت داری کے معاملے میں اُس کا دامن پاک نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت کا خود دشمن ہے۔ خدمت خلق کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ ہے لوگوں کی عاقبت سنوارنے کی فکر کرنا، ان تک اللہ کا پیغام پہنچا دینا تاکہ وہ بھی اللہ کی بندگی کرنے لگیں اور اپنی آخرت کو سنوار سکیں اور یہ خدمت خلق کی بلند ترین سطح ہے۔

آیت 78 میں ذمہ داریوں کی چوتھی سطح کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

﴿وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ﴾

”اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے“۔

جہاد کا لفظ جدوجہد، کشمکش اور انتہائی سعی و کوشش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ کشمکش اور جدوجہد سرکش قوتوں کے خلاف مطلوب ہے۔ یہ وہ طاقتیں ہیں جو اللہ کی بندگی، اُس کی رضا جوئی اور اُس کی راہ پر چلنے میں مانع ہیں۔ اِن قوتوں کو شکست دے کر آدمی خود بھی اپنے آپ کو بھی بندگی کے لئے تیار کرے اور دوسروں کو بھی بندگی کی دعوت دے، یعنی شہادت علی الناس کا فریضہ ادا کرے اور دنیا میں اللہ کے نظام بندگی کے لئے راہ ہموار کرے۔

جہاد کا اوّلین ہدف آدمی کا نفس امارہ ہے۔ لیکن یہ اندرونی معرکہ ہے۔ خارجی سطح پر جہاد فی سبیل اللہ کا پہلا مرحلہ شہادت علی الناس ہے۔ اسی کے لیے اس امت کو چنا گیا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا:

﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ ھٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ﴾

”اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔ (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا)۔ اسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے۔ تو جہاد کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں۔ اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہو“۔

شہادت علی الناس بنیادی طور پر انبیاء و رسل کا کام ہے۔ اس سے پہلے یہ کام وہی کیا کرتے تھے۔ لیکن ختم

نبوت کی بنا پر اب یہ کام اِس امت کو سونپا گیا ہے۔ چنانچہ دوسروں تک دین کو پہنچانا اور اتمام حجت کر دینا، اب اِس امت کی ذمہ داری ہے۔ اقامت دین بھی شہادت علی الناس کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہ شہادت کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ آپ نظام حق بالفعل قائم کرکے دکھائیں گے تو دنیا پر حجت ہوسکے گی۔ اگر آپ یہ نظام قائم نہیں کرتے تو پھر آپ کی بات میں کوئی وزن نہیں ہوگا۔ فرض کریں، آپ دنیا کو یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے پاس اعلیٰ ترین نظام حیات ہے، جو زندگی کے انفرادی اور اجتماعی گوشوں میں بہترین تعلیمات کا مرقع ہے، یہ سیاست، معیشت اور معاشرت میں عدل وانصاف اور اعتدال وتوازن کا ضامن ہے، آپ اِسے اپنایئے، تو دنیا کی طرف سے فوراً کہا جائے گا کہ اگر یہ نظام اتنا ہی اچھا ہے تو خود تم نے اپنے ستاون مسلم ممالک یا اُن میں سے چند یا کسی ایک میں یہ نظام قائم کیوں نہیں کر لیا؟ تم کس منہ سے ہمیں اِس کی دعوت دیتے ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے دنیا والوں کو یہ نظام بالفعل قائم کرکے دکھایا۔ آپؐ کے بتلائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے ہمیں بھی یہ کام کرنا ہے، اور اِس میں اپنا تن من دھن لگا دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آگے فرمایا:

﴿فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾

”اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔“

آیت کے اِس حصے میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو جو عظیم مشن اور بڑی بڑی ذمہ داریاں دی گئی ہیں، اِن کی ادائیگی کا نکتہ آغاز کہاں سے ہوگا۔ اِس کام کا آغاز یہاں سے ہوگا کہ پہلے خود اپنے آپ کو شریعت پر کاربند کرو، اللہ کی بندگی کرو۔ ارکان اسلام بالخصوص اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا اہتمام کرو۔ جیسے کوئی شخص کسی عمارت کی تیسری منزل تک پہنچنا چاہے، تو اِسے درجہ بہ درجہ اوپر جانا پڑتا ہے، اگر وہ چھلانگ لگا کر تیسری منزل پر پہنچنا چاہے گا تو منہ کے بل گر پڑے گا، اسی طرح دین کی سہ منزلہ عمارت میں شہادت علی الناس اور اقامت دین کی بلند منازل تک پہنچنے کے لیے پہلی اور اہم ترین منزل یعنی عبادت رب سے ہو کر گزرنا پڑے گا۔ آپ پہلے اپنے وجود پر دین کو قائم کریں گے تو پھر ہی معاشرے اور ریاست میں غلبہ دین کے لیے صحیح معنوں میں جدوجہد کرسکیں گے۔ یہی دینی ذمہ داریوں کی منطقی ترتیب ہے۔

نماز وزکوٰۃ کے حکم کے بعد فرمایا کہ اللہ کے دامن کو مضبوطی سے تھام لو جو تمہارا مولا اور حقیقی مددگار ہے۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ۭ ہُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ (آیت:78)

”اور اللہ (کے دین کی رسی) کو پکڑے رہو۔ وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔“

یعنی جس ہستی کا نظام قائم کرنا چاہتے ہو، اور اُس کے لیے جہاد کا حق ادا کرنے کا عزم کیا ہے، اُس کے ساتھ چمٹ جاؤ۔ اِس لیے کہ اِس راہ کی کٹھن منزلوں میں وہی تمہاری دستگیری اور مدد فرمائے گا۔ وہی تمہیں نفس اور شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھے گا۔ تمہارا سارا توکل و اعتماد اُسی پر ہونا چاہیے، نہ کہ اپنی صلاحیتوں، محنت اور وسائل پر۔ وہ چاہے گا تو حق کی دعوت آگے بڑھے گی، راہ حق کی رکاوٹیں دور ہوں گی، مشکلیں آسان ہوں گی۔ وہ نہ چاہے گا تو خوراک کا نوالہ بھی زہر بن جائے گا جو تم منہ میں لے جاتے ہو۔ یہ اعتصام باللہ اور تعلق مع اللہ سب سے اہم شے ہے، جسے بعض اوقات نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ تعلق جتنا مضبوط ہوگا، شیطان کا وار اُسی قدر بے اثر ہوگا اور اُس کے حملے سے اتنی ہی حفاظت ہوسکے گی۔ شیطان ہر لمحے انسان کو راہ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس لیے کسی بھی شخص کو شیطان کی چالوں اور ہتھکنڈوں سے خود کو محفوظ و مامون نہیں سمجھنا چاہیے۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ سوچ اِس بات کی علامت ہے کہ وہ پہلے ہی شیطان کا شکار ہوچکا ہے۔ شیطان تو لوگوں کی گھات میں بیٹھا ہے، جیسے ہی اِسے موقع ملتا ہے، حملہ کر دیتا ہے۔ اُس کے حملوں سے بچاؤ اللہ سے جڑنے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ:

﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (حٰم السجدۃ:36)

”اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ بے شک وہ سنتا اور جانتا ہے۔“

اعتصام باللہ کے لیے کچھ چیزیں تو وہ ہیں، جو ہمیں اِس آیت میں بتادی گئی ہیں یعنی ہم نماز روزہ کی پابندی کریں، صاحب نصاب ہیں تو زکوٰۃ ادا کریں......اِس کے علاوہ چند چیزیں اور بھی ہیں جو تعلق مع اللہ کو بڑھانے والی ہیں۔ ہمیں اِن کا بھی خصوصی طور پر اہتمام کرنا چاہیے۔

1۔ تلاوتِ قرآن کریم:

○ کلام الٰہی کی تلاوت اللہ سے تعلق کو مضبوط بناتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن حکیم کا اہتمام کریں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ ہم تنظیم میں شامل ہوگئے ہوں اور تنظیمی پروگراموں میں شریک ہو رہے ہوں، دروس قرآن کی محافل بھی attend کر رہے ہوں، مگر کئی کئی ہفتوں تک قرآن کی تلاوت ہی نہیں ہو رہی ہو، قرآن کو کھول کر پڑھنے اور سمجھنے کا وقت ہی نہ نکالیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ شدید خطرے کی علامت ہے، اور ہمیں اِس صورتحال کی اصلاح کرنی چاہیے، اور آج ہی سے صبح وشام تلاوت کو معمول بنالینا چاہیے۔

2۔ قیام اللیل:

○ راتوں کو اللہ کے حضور کھڑے ہونا، تعلق مع اللہ کا بہت اہم ذریعہ ہے۔ قیام اللیل میں نماز بھی ہے اور قرآن کا پڑھنا بھی ہے۔ قیام اللیل کی خصوصی اہمیت ہے۔ اِسی سے اہل ایمان کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے، جو باطل کے خلاف کشمکش میں درکار ہوتی ہے۔ یہاں ایک خاص بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ جب قیام اللیل کی بات آتی ہے تو بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں یہ خانقاہیت پھیلائی جا رہی ہے، حالانکہ ہمیں انقلابیت کی ضرورت ہے۔ یہ اندازِ فکر درست نہیں ہے۔ اِس کی اصلاح کی جانی چاہیے۔ ذرا سوچیے، ہم کون سی انقلابیت کی بات کر رہے ہیں۔ کیا صحابہ کرامؓ سب سے بڑے انقلابی نہیں تھے؟ اُن کی انقلابیت کا نقشہ کیا تھا؟ اُن کے متعلق خود دشمنوں نے کیا الفاظ کہے تھے: ھم رھبان باللیل و فرسان بالنھار۔ یعنی وہ رات کے راہب اور دن کے شہسوار نظر آتے ہیں۔ اُن کا حال تو یہ تھا کہ وہ محاذ جنگ پر بھی راتوں کو اللہ کے حضور کھڑے رہتے تھے۔ غور کیجیے، اگلے دن ایرانی فوج کے خلاف جہاد ہونا تھا، یہ موقع وہ تھا کہ صحابہؓ کو رات کو زیادہ آرام کی ضرورت تھی، مگر وہ رات کو اللہ کے حضور کھڑے تھے، کیونکہ اُن کا یہ پختہ ایمان تھا کہ اصل طاقت اور قوت اللہ سے لو لگانے سے حاصل ہوگی۔ ہمارے دین نے جو انقلابیت سکھائی ہے، وہ اِسی قسم کی رہبانیت (مراد ترک دنیا نہیں، بلکہ اللہ سے تعلق کی استواری ہے) سے ہو کر گزرتی ہے۔ صحیح انقلابی وہ شخص ہے جس کا حال یہ ہو کہ اُس کی راتیں قیام میں گزرتی ہوں، اُس کی سجدہ گاہیں خوف اور ندامت کے آنسوؤں سے تر ہوں۔ وہ

> **اگر ہم اپنی کسی نیکی کے سبب اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے، اور دوسروں کو حقیر گردانا**
> **تو یہ شے سخت مہلک ثابت ہوگی۔ ہمارا کیا کرایا صفر ہوجائے گا**

دن کے وقت تو مجاہد اور شہسوار ہو اور نظامِ باطل کو اکھاڑنے کے لیے اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں خرچ کرتا ہو، اور اُس کی راتیں اللہ سے مناجات میں بسر ہوتی ہوں۔

3۔ ذکر اذکار:

O اللہ سے تعلق کو مضبوط بنانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری زبانیں اللہ کے ذکر سے تر ہوں۔ ہم کثرت سے اللہ کو یاد کریں۔ صبح وشام ذکر کا اہتمام کریں۔ خود قرآن نے جابجا ذکر کی تعلیم دی ہے۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ o﴾

"اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح وشام یاد کرتے رہو، اور (دیکھنا) غافل نہ ہونا۔"

اسی طرح ہمیں ادعیہ ماثورہ کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

4۔ کثرتِ استغفار:

O ہمیں چاہیے کہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، کثرت سے استغفار کریں۔ رسول خدا ﷺ تو معصوم عن الخطا تھے، مگر اس کے باوجود استغفار آپ کا معمول تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مقام بلند عطا فرمایا، یہ اُس پر شکر کی بجا آوری کا ایک ذریعہ تھا۔ ہم تو گناہ گار ہیں۔ دن رات میں ہم سے کئی گناہ اور خطائیں سرزد ہوتی ہیں۔ ان پر اللہ سے زیادہ سے زیادہ معافی مانگنا ضروری ہے۔ استغفار جہاں ہمارے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے، وہاں اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ اِس سے باطنی بیماریوں کا علاج ہوگا۔ ہم جتنا استغفار کریں گے ہمارے اندر اتنی ہی تواضع پیدا ہوگی اور اُسی قدر ہم عجب اور تکبر سے بچ سکیں گے۔ ورنہ اگر ہم اپنی کسی نیکی کے سبب اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے، اور دوسروں کو حقیر گردانا تو یہ شے سخت مہلک ثابت ہوگی۔ ہمارا کیا کرایا صفر ہو جائے گا۔

5۔ درود شریف:

O ہمیں کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیے۔ یہ دراصل انسانیت کے سب سے بڑے محسن نبی آخر الزمان ﷺ کے حق میں دعا ہے، جو ہم کرتے ہیں۔ یہ اُس رفیع الشان اور عظیم المرتبت ہستی کے حضور عقیدت کا نذرانہ ہے، جس کے ذریعے ہمیں اسلام کی دولت ملی۔ ہمیں اس کا ذوق وشوق سے اہتمام کرنا چاہیے...... یہاں یہ بات بھی واضح ہو کہ ذکر اذکار، ادعیہ ماثورہ، استغفار اور درود وہ چیزیں ہیں جن کے لیے کوئی اضافی وقت نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ سفر وحضر میں، اٹھتے بیٹھتے یہ کام کرسکتے ہیں۔ لہٰذا اِن چیزوں کو اپنی زندگی کے معمولات میں شامل کر لیجیے۔

اب تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ (سورۃ الحج کی آخری آیت 78 میں) اللہ تعالیٰ نے ہم پر شہادت علی الناس کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ اور شہادت علی الناس کے تذکرے کے بعد ہم میں سے ہر شخص کو انفرادی سطح پر دو اہداف دیے ہیں، جو غلبہ دین حق کی جدوجہد میں ہمیں اصل طاقت فراہم کرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک ارکان اسلام کی پابندی اور دوسرا اعتصام باللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق استوار کرنا ہے۔

☆☆☆☆

اب آیئے، اجتماعی جدوجہد کی طرف!

تنظیمی سطح پر ہم جو جدوجہد کر رہے ہیں، اِس کے حوالے سے چند باتیں ایسی ہیں جو اِس جدوجہد میں "Bottom Line" کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اِن باتوں سے ہم نے اپنی جدوجہد کا آغاز کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم نے جو عہد بندگی کیا ہے، اِس کے تقاضوں کو پورے کرنے کے لیے اگر ہم راہِ حق میں اپنا سب کچھ بھی نچھاور کردیں تو بھی معاملہ یہ ہوگا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ تاہم ان بنیادی باتوں سے اندازہ ہوگا کہ تنظیم میں، جو عہد بندگی کو پورا کرنے ہماری معاون ہے، میں ہماری شمولیت بامعنی ہے یا نہیں!

1۔ نظمِ جماعت کی پابندی

O پہلی بات یہ ہے کہ ہم جماعت کے نظم کی پوری پابندی کریں۔ یہ بیعت سمع واطاعت کا تقاضا ہے۔ تنظیم کے پروگراموں کو اپنے تمام کاموں پر ترجیح دیں۔ اپنے اوقات کی قربانی دے کر تنظیمی اجتماعات اور پروگراموں میں شرکت کریں۔ یہ ہمارا ٹیسٹ کیس ہے۔ اِس سے معلوم ہوگا کہ آیا ہم دنیا کو ترجیح دیتے ہیں، یا آخرت کی کامیابی ہمارا مطمع نظر ہے۔ اگر پیش نظر دنیا ہے، تو ان پروگراموں میں شرکت بوجھ محسوس ہوگی۔ آپ کی توجہ کا اصل ہدف دنیا کے معاملات ومسائل ہوں گے۔ تنظیمی پروگراموں میں عدم شرکت کے لیے ہر ہر موڑ پر عذر تراشیں گے۔ (یہ الگ بات ہے کہ اگر کوئی واقعی اور حقیقی ضرورت داعی ہو، تو عذر کیا جاسکتا ہے۔) اگر آپ کا ہدف آخرت کی فلاح ہے، تو پھر دنیا کے معاملات ومسائل آپ کی تنظیمی ذمہ داریوں کی راہ میں حائل نہیں ہوں گے۔ آپ اپنے اوقات اور نجی مصروفیات کو اِس طور سے ترتیب دیں گے کہ تنظیمی پروگراموں میں آپ کی شرکت متاثر نہیں ہوگی۔

2۔ دعوتی کام

O آپ تنظیم میں اس لیے شامل ہوئے ہیں تاکہ اس عظیم مشن کو آگے بڑھا سکیں، جو امت محمد یہ ﷺ کے ناتے ہمیں سونپا گیا ہے، یعنی شہادت علی الناس اور غلبہ واقامت دین! اقامت دین کی اس جدوجہد میں پہلا مرحلہ دعوت ہے۔ اِس لیے آپ میں سے ہر شخص دعوت کا کام کرے۔ اِسی سے تنظیم میں آپ کی عملی شمولیت ہوسکے گی۔ اگر آپ دعوت کا کام نہیں کر رہے، اِس کام میں آپ کا کوئی حصہ نہیں ہے، تو پھر تنظیم میں آپ کی شمولیت کا کوئی مطلب نہیں۔ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ فرائض دینی کی ادائیگی ہماری اپنی ضرورت ہے، یہ جماعت کا مسئلہ نہیں، جماعت دراصل اِس معاملے میں ہماری معاون ہے۔ بہرحال ہر رفیق کو چاہیے کہ دعوت کے کام میں حصہ ڈالے۔ ملتزم ہی نہیں، ہر مبتدی رفیق بھی کم ازکم ایک شخص کو ضرور دعوت کا ہدف بنا لے۔ تحریک دعوت اور نظام دعوت کے ذریعے یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ داعی کے لیے مدرس یا مقرر ہونا ضروری نہیں، بلکہ ایسا شخص بھی داعی ہوسکتا ہے، جو مجمع کے سامنے دو لفظ بھی نہیں بول سکتا۔ اس لیے کہ وہ لوگوں کو دعوتی پروگراموں کے لیے دعوت دے سکتا ہے، انہیں حلقہ قرآنی میں بلا سکتا ہے۔ گویا ہر شخص داعی بن سکتا ہے خواہ وہ مقرر نہ بھی ہو۔ اور اگر وہ مقرر اور مدرس بھی ہو تو یہ نورٌ علیٰ نور والی بات ہے۔

3۔ تنظیمی جرائد کا مطالعہ

O تیسری بات جو تنظیم سے وابستگی کے حوالے سے ضروری ہے، وہ یہ کہ تنظیم کے جرائد "میثاق" اور "ندائے خلافت" کا باقاعدگی سے مطالعہ کیجیے۔ ان جرائد کو عام کیجیے، ان کو اپنی دعوت کا ذریعہ بنایئے، اپنے حلقہ احباب میں پہنچایئے۔ اِس سے جہاں دعوت کو فروغ حاصل ہوگا، وہاں یہ چیز آپ کی تنظیم سے وابستگی اور تعلق کی مضبوطی کا ذریعہ بنے گی۔

میں آخر میں آپ سب شرکاء کا شکریہ ادا کرتا کہ آپ اپنے مال اور اوقات کی قربانی دے کر اجتماع میں شریک ہوئے۔ تمام مقررین ومدرسین کا بھی شکریہ کہ انہوں نے بہت محنت اور بھرپور تیاری کر کے اپنے دروس اور خطابات کے ذریعے شرکاء اجتماع کی فکری وعملی رہنمائی کی۔ اجتماع کے منتظمین بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں، جنھوں نے دن رات ایک کرکے اجتماع کے عمدہ انتظامات کیے۔ اللہ تعالیٰ اس کام میں شریک ہونے والے سب لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ میری آپ سے بھی گزارش ہے کہ میرے لیے خصوصی طور پر دعا کریں کہ تنظیم کی امارت کا جو بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر آن پڑا ہے، اُس کے تقاضوں کو پورا کرسکوں۔

اقول قولي هذا واستغفرالله لي ولكم ولسائر المسلمين والمسلمات oo

عائلی قوانین کے ضمن میں صحیح طرزِ عمل

اور پاکستان میں نفاذ قوانینِ اسلامی کا صحیح نہج!

(روزنامہ جنگ کے کالم نگار جناب ارشاد احمد حقانی کے موقف پر تبصرہ)

از: ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

محترمی برادرم ارشاد احمد حقانی صاحب' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

'جنگ' بابت 18/ نومبر میں آپ نے بعض عائلی قوانین کے ضمن میں اسلامی آئیڈیالوجی کونسل کی تازہ سفارشات پر جو تبصرہ فرمایا ہے' اس میں چونکہ آپ نے میرا' بطور خاص' ذکر کیا ہے' لہٰذا اس کے بارے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنا موقف تفصیلاً بیان کر دوں' تاکہ وہ آپ کی وساطت سے قارئین 'جنگ' کے علم میں بھی آ جائے!

موجودہ عائلی قوانین اوّلاً 1962ء میں صدر ایوب صاحب کے صدارتی آرڈیننس کی صورت میں نافذ ہوئے تھے —— اس وقت میری سرے سے کوئی 'پبلک' حیثیت نہیں تھی' 1957ء میں جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد سے میں مسلسل پانچ سال اپنے اور آپ کے مشترک بزرگوں جیسے مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا عبدالغفار حسن وغیرہما کی سرکردگی میں کسی نئی تنظیمی ہیئت کے قیام کے لیے کوشاں رہا تھا —— اور 62ء میں اس جانب سے مایوس ہو کر بددلی کے دور سے گزر رہا تھا' اس لیے کہ اس وقت میری عمر کل 30 برس تھی اور اُس سٹیج پر خالص اپنی ذاتی حیثیت میں کسی نئی ہیئتِ تنظیمی کا ڈول ڈالنا خارج از بحث تھا —— اس وقت جب یہ آرڈیننس آیا تو اس کے خلاف پاکستان کے تمام مذاہب فقہ (شیعہ' سنی' حنفی' اہلحدیث' دیوبندی' بریلوی) کے چوٹی کے قائدین کا متفقہ بیان آیا تھا —— میرے بارے میں آپ کے علم میں ہے کہ نہ میں فقیہ ہوں نہ مفتی' —— اصلاً صرف قرآن کا طالب علم اور زیادہ سے زیادہ اس کا 'مبلغ' ہوں —— بہرحال مجھے خوشی ہوئی تھی کہ اس ایشو پر علماء کرام کا ایک نہایت جامع اور متفق علیہ موقف سامنے آیا تھا —— البتہ اس وقت بھی اپنی نجی مجلسوں میں' اور بعد میں بھی اپنے عوامی خطابات میں' میں یہ کہتا رہا کہ یہ علماء کی شدید غلطی یا کوتاہی تھی کہ انہوں نے اس معاملے میں کوئی احتجاجی تحریک برپا نہیں کی —— اس کے برعکس' اور آپ کے موقف کے بھی برعکس' میں سلام پیش کرتا رہا ہوں اور اب بھی پیش کرتا ہوں بھارت کے مسلمانوں کی خدمت میں کہ اس کے باوجود کہ وہ سیاسی اور معاشی اعتبار سے نہایت دبے ہوئے بلکہ پسے ہوئے تھے' انہوں نے شاہ بانو کیس کے فیصلے کے خلاف ملک گیر احتجاجی تحریک چلائی جس کے لیے تمام فرقوں اور فقہوں کی حامل دینی و مذہبی جماعتوں نے ایک متفقہ "مسلم پرسنل لاء بورڈ" قائم کیا جس کی صدارت ایک خالص غیر سیاسی لیکن علمی و دینی اعتبار سے مسلّم حیثیت کی مالک شخصیت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے سپرد کی گئی۔ اس تحریک پر ابتداءً مسز اندرا گاندھی کے دور میں حکومت کی جانب سے تشدد بھی ہوا —— چنانچہ اس کے ضمن میں قید و بند کے علاوہ جانی قربانیاں بھی مسلمانوں کو بڑی تعداد میں پیش کرنی پڑیں —— جس کے نتیجے میں بالآخر اندرا گاندھی کے صاحبزادے اور جانشین راجیو گاندھی کی حکومت نے گھٹنے ٹیک دیے اور پارلیمنٹ سے یہ طے کرا لیا کہ آئندہ مسلمانوں کے عائلی قوانین کے ضمن میں بھارت کی کوئی عدالت دخل نہیں دے گی۔ نہ صرف یہ' بلکہ راجیو گاندھی نے فلور آف دی ہاؤس پر تقریر میں یہ اعتراف بھی کیا کہ: "میں نے اس سے قبل تو اس مسئلے کا مطالعہ نہیں کیا تھا لیکن اب اس تحریک کے حوالے سے میں نے عورتوں کے حقوق کے ضمن میں جملہ مذاہب کا مطالعہ کیا ہے اور میں برملا کہتا ہوں کہ عورتوں کو جو حقوق اسلام نے عطا کیے ہیں وہ کسی دوسرے مذہب نے نہیں دیے!" —— (یہ بات مولانا علی میاںؒ نے اپنی ایک تالیف میں درج کی ہے!)

اس کے لگ بھگ 18 سال بعد' اس مسئلے پر میں نے مفصل گفتگو علماء کرام کے اس پہلے کنونشن میں کی جو غالباً 21/ اگست 80ء کو اس وقت کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق نے منعقد کرائی تھی۔ اس کے لیے جب مجھے دعوت موصول ہوئی تھی تو چونکہ اسی رات مجھے کراچی سے نیویارک کے لیے پرواز پکڑنی تھی لہٰذا میں نے معذرت ارسال کر دی تھی —— لیکن پھر جنرل ضیاء الحق صاحب کا فون آیا کہ اگر آپ کنونشن میں نہیں آ سکتے تو اس سے چند دن قبل میں ایک محدود سطح پر مشاورتی اجلاس بلا رہا ہوں جس میں طے کیا جائے گا کہ اس کنونشن کو کیسے کنڈکٹ کیا جائے' اس کے لیے ضرور آ جائیں' چنانچہ میں اس میں شریک ہو گیا۔ اس اجلاس کی کارروائی کے بھی بعض پہلو بہت اہم اور دلچسپ تھے

لیکن اس وقت میں ان کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ تاہم اجلاس کے خاتمے پر ضیاء الحق مرحوم نے مجھ سے ذاتی طور پر پوچھا کہ آپ کو نیویارک کب جانا ہے؟ میرے جواب پر انہوں نے فرمایا کہ آپ کنونشن میں ضرور شریک ہوں' میرا 'فالکن' آپ کو امریکہ کی پرواز کے لیے بروقت کراچی پہنچا دے گا۔ جس پر میں نے عرض کیا کہ میری حیثیت آپ کے 'فالکن' کی نسبت سے بہت کمتر ہے ---- آپ 21/اگست کی شام کو کراچی کے لیے میری سیٹ پی آئی اے سے بک کرا دیں ---- میں لاہور سے اپنا بیگ لے کر کنونشن کے لیے آجاؤں گا اور اسلام آباد سے سیدھا کراچی چلا جاؤں گا۔ چنانچہ میں کنونشن میں شرکت کے لیے اسلام آباد حاضر ہو گیا۔

اس کنونشن میں مقررین کے لیے موضوعات معیّن کر دیے گئے تھے۔ مجھے جو موضوع الاٹ ہوا وہ تھا: ''پاکستان میں نفاذِ اسلام کے ضمن میں فقہی اختلافات کا حل!'' ---- چنانچہ میں نے اس موضوع پر مفصل اظہار خیال کیا ---- جس کا خلاصہ یہ ہے:

پاکستان میں اسلامی قوانین کی تنفیذ کے ضمن میں پہلا کام یہ ہے کہ ذاتی قوانین (پرسنل لاء) اور ملکی قوانین (لاء آف دی لینڈ) میں تفریق کر دی جائے جیسے کہ دستورِ پاکستان کی دفعہ 227 میں 'وضاحت' کے ذیل میں درج ہے۔

پرسنل لاء کے ضمن میں جملہ مذاہب فقہ کو برابری کی سطح پر تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ عقائد' عبادات' عائلی قوانین اور وراثت کے ضمن میں پاکستان کے تمام شہری بالکل آزاد ہوں' اور اپنے معاملات اپنی اپنی فقہ کے مطابق طے کر لیں یا عدالتوں کے ذریعے طے کروا لیں۔ اس غرض کے لیے مختلف مکاتب فقہ کے جید علماء پر مشتمل بورڈ' ان مکاتب فقہ کے علماء ہی کی رائے سے' قائم کیے جائیں جن سے بوقت ضرورت حکومتیں (مرکزی و صوبائی) اور عدالتیں رجوع کریں ---- اور ان کے فتاویٰ ہی کو فیصلہ کی بنیاد بنائیں! ---- یہ وہ ''آزادی'' ہے جو کسی بھی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو بھی لازماً دی جائے گی۔ یعنی یہ کہ اگرچہ فوجداری اور دیوانی قوانین تو سب کے لیے ایک ہی ہوں گے' لیکن پرسنل لاء میں جملہ مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوں گے۔ (اس ضمن میں اگر دو ایسے مسلمان یعنی عورت اور مرد جو مختلف فقہوں کے پیروکار ہوں نکاح کے بندھن میں بندھنے کے خواہش مند ہوں تو اس صورت میں نکاح کے وقت ہی طے ہو جانا چاہیے کہ اس نکاح سے متعلق جملہ معاملات و خصومات کون سی فقہ کے مطابق طے ہوں گے۔)

اس ضمن میں دو حقیقتوں کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے ---- ایک یہ کہ اسلامی فقہیں کوئی زمانہ حال کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ ہزار سال سے زیادہ پرانی ہیں۔ اور ان کی جڑیں عام مسلمانوں کی مجموعی سائیکی میں بہت گہری ہیں۔ اور عوام کا اجتماعی ذہن ان کے ضمن میں کسی تغیر و تبدل کو قبول نہیں کرے گا ---- بالخصوص پاکستان میں خواہ اسلام بحیثیتِ ''دین'' لوگوں کے اذہان میں زیادہ گہری جڑیں نہیں رکھتا ---- لیکن اسلام بحیثیتِ ''مذہب'' کی جڑیں بہت گہری ہیں ---- اور دوسرے یہ کہ خاص طور پر نکاح اور طلاق وغیرہ کے معاملے میں عوام کی حساسیت بہت شدید ہوتی ہے۔ اور ان کے ضمن میں ذرا سے فرق کے ساتھ زوجین کا تعلق زن و شوہرنا' میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایوب خان کے عائلی قوانین نے بہت خطرناک صورتوں کو جنم دیا۔ مثلاً ایک خاتون کو اس کے شوہر نے بیک وقت تین طلاقیں دے دیں' ---- اور وہ خاتون حاملہ تھی اور فرض کیجیے کہ ایک ہی ماہ بعد وضع حمل کا معاملہ ہو گیا یعنی عدت ختم ہو گئی ---- تو اب اہل سنت کی چاروں فقہوں کے اعتبار سے وہ آزاد ہے کہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے اس لیے کہ ان جملہ فقہوں کی رو سے ایک مجلس کی تین طلاقیں ''مغلظ'' ہو جاتی ہیں ---- جبکہ موجودہ عائلی قوانین کی رو سے چونکہ طلاق نوے دن سے قبل واقع ہی نہیں ہوتی لہٰذا اس کے خلاف ''زنا'' کا مقدمہ قائم ہو سکتا ہے ---- وقِس علی ذالک!!

اسی طرح یہ تاریخی حقیقت بھی سامنے رہے تو مناسب ہے کہ دینِ حق کا جو کامل نظام خلافت راشدہ میں قائم ہوا تھا اس کی بلند عمارت کی سب سے اونچی منزل تو خلافت راشدہ کے خاتمے کے فوراً بعد ہی گر گئی تھی یعنی خلیفہ کا منصب ''اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ'' کی بجائے قبائلی عصبیت پر مبنی موروثی ملوکیت کی شکل اختیار کر گیا تھا لیکن اس کے بعد لگ بھگ ایک ہزار سال تک اگرچہ خلافت کا سیاسی ڈھانچہ تو دوبارہ قائم نہیں ہو سکا' تاہم اس کے نیچے نیچے قوانین شریعتِ اسلامی ہی کے نافذ رہے (سوائے چند معاشی معاملات یعنی جاگیرداری اور مزارعت وغیرہ کے) ---- پھر آیا یورپی استعمار کا دور تو اس کے دوران میں فوجداری اور دیوانی قوانین بھی اسلامی نہ رہے بلکہ حاکموں نے اپنی صوابدید کے مطابق نافذ کیے ---- تو اب اسلام میں سے لے دے کر صرف پرسنل لاء کا دائرہ رہ گیا تھا یعنی عقائد' عبادات' کچھ سماجی رسومات اور عائلی قوانین' جس میں مغربی استعمار نے بھی دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ ان کی جڑیں استعماری دور میں بھی برقرار رہیں۔ اور لگ بھگ چودہ سو سال کے مسلسل تعامل کے باعث یہ عوام کے ذہنوں میں بہت راسخ ہیں' اور ان کے ضمن میں لوگ علماء کرام کے فتاویٰ ہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب اگر مغربی تہذیب کے زیر اثر کچھ جدید تعلیم یافتہ لوگ اپنی پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کی اتھارٹی کی اساس پر کچھ دخل اندازی کریں گے تو پاکستانی قوم پہلے سے جن گوناگوں قسم کے تضادات اور تناقضات میں مبتلا اور قسم قسم کے پولرائزیشنز کا شکار ہے' ان میں ایک اور بُعد (Dimension) کا اضافہ ہو جائے گا۔

البتہ پرسنل لاء کے برعکس بقیہ جملہ قوانین ملکی (Law of the Land) کے ضمن میں میں نے کنونشن میں عرض کیا تھا کہ ان کے معاملے میں کسی بھی فقہ کو as such نافذ نہ کیا جائے بلکہ اس کے ضمن میں فیصلہ کن چیزیں صرف دو ہی ہوں یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ ---- جبکہ اُمت مسلمہ کی تمام فقہیں (حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی' جعفری' زیدی' ظاہری اور اباضی جو معتدل مزاج

خوارج کی فتنہ ہے) کو ایک مشترک تُراثِ علمی کی حیثیت سے قانون سازی اور عدالتی کارروائیوں کے ضمن میں ''نظائر'' (Precedents) کے طور پر سامنے رکھا جائے اور ان سب سے بلاتخصیص بھرپور ''استفادہ'' کیا جائے ـــــ اور جملہ مسائل و معاملات میں نئی قانون سازی صرف اس اصول پر ہو کہ کوئی چیز کتاب وسنت کے منافی نہ ہو یعنی کُل قانون سازی 'مباحات' کے دائرے میں کی جائے۔ اور اس امر کا حق ہر مسلمان شہری کو دیا جائے کہ اگر اس کے نزدیک کوئی رائج الوقت قانون' یا کوئی زیر تجویز' قانون' پورے کا پورا یا اس کی کوئی شق کتاب وسنت کے منافی ہو تو وہ عدالت عالیہ یا عظمیٰ کے سامنے پیش ہو کر اپنے موقف کو پیش کرے اور اس کے حق میں دلائل دے ـــــ پھر عدالت وکلاء ماہرینِ شریعت' اور جیورِس کنسلٹنٹس کی مدد سے اس کے ضمن میں فیصلہ صادر کرے۔ اور اس کے بعد سارا معاملہ اسی طرز پر ہو جو 1980ء ہی میں قائم ہونے والی فیڈرل شریعت کورٹ کے ضمن میں طے کیا گیا تھا۔

تاہم اس فیڈرل شریعت کورٹ کے ضمن میں مجھے اس امر پر اعتراض تھا کہ اسے دو ہتھکڑیاں اور دو بیڑیاں پہنا دی گئی ہیں یعنی چار امور کو اس کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا گیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ مسلمانوں سے یہ ہے کہ ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾ یعنی اسلام میں جزوی طور پر نہیں بلکہ کلی طور پر داخل ہو جاؤ ـــــ اور اس سلسلے میں مجھے شدید حیرت ہوئی تھی اس بات پر کہ شریعت کورٹ کے دائرہ کار پر عائد کی جانے والی پابندیوں (Limitations) میں ''مسلم پرسنل لاء'' بھی شامل تھا ـــــ ادھر اس وقت تک میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور بھی قائم کر چکا تھا اور تنظیم اسلامی کا قیام بھی عمل میں لا چکا تھا' گویا میری پبلک لائف کا آغاز ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس پر میں نے بھرپور تنقیدیں کیں جن کا آپ نے بھی ذکر کیا ہے ـــــ اور اگرچہ 1981ء میں جب جنرل صاحب نے مجھے مرکزی وزارت قبول کرنے کی دعوت دی تھی تو میں نے اسے قبول کرنے سے معذرت کر لی تھی ـــــ (یہ پیغام میرے پاس ان کے بڑے برادر نسبتی ڈاکٹر نور الٰہی صاحب لے کر آئے تھے جو بحمد اللہ تا حال بقید حیات ہیں!) تاہم جب انہوں نے مجلس شوریٰ میں شمولیت کی دعوت دی تو میں نے اسے اس بنا پر قبول کر لیا کہ اس کے ذریعے میں اپنی وہ باتیں بالخصوص فیڈرل شریعت کورٹ کے ضمن میں اپنے تحفظات ان تک براہِ راست پہنچا سکوں گا جو اس وقت تک اپنے عوامی خطابات (خصوصاً خطباتِ جمعہ) اور اخباری بیانات کے ذریعے پہنچا رہا تھا ـــــ لیکن مجلس شوریٰ کے صرف دو اجلاسوں میں شرکت سے یہ بات مجھ پر واضح ہو گئی کہ جنرل صاحب کے پروگرام میں اسلام کو نافذ کرنے کا کوئی حقیقی ارادہ موجود نہیں ہے اور اس مجلس شوریٰ کا ڈھونگ بھی محض ایک Window Dressing کے طور پر رچایا گیا ہے تاکہ امریکہ کی رائے عامہ کو یہ باور کرایا جا سکے کہ جنرل صاحب کی حکومت صرف فوج کی نہیں ہے بلکہ اسے سویلین عناصر کی تائید بھی حاصل ہے ـــــ چنانچہ میں نے شوریٰ سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس کے ضمن میں میری جو آخری گفتگو ان سے ہوئی (5/جولائی 1982ء) اس میں اصل مسئلہ عائلی قوانین ہی کا زیر بحث آیا۔ چنانچہ میرے منہ سے یہ الفاظ بھی نکل گئے کہ ''جنرل صاحب! آپ اپنی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لیے پھر رہے ہیں!'' اس پر مجھے فوری طور پر اپنی غلطی کا احساس بھی ہوا کہ یہ میں نے کیا کہہ دیا۔ اس لیے کہ میں نے تو اسے صرف بطور محاورہ استعمال کیا تھا ـــــ لیکن جنرل صاحب کی پیشانی پر تو فی الواقع سجدوں کا نشان (محراب) موجود تھا ـــــ تاہم یہ جنرل صاحب کا کمالِ تحمل تھا کہ انہوں نے اس پر اظہار ناراضگی نہیں فرمایا ـــــ بلکہ پوری سادگی سے سوال کیا: ''کیوں؟ کیسے؟؟'' اس پر میں نے کہا کہ ''جنرل صاحب! آپ نے خود فیڈرل شریعت کورٹ قائم کی ـــــ اور اس میں خالصتاً اپنے انتخاب سے (گویا کہ اپنے Hand Picked) علماء کو بطور جج نامزد کیا ـــــ آخر محترم پیر کرم شاہ صاحب آپ کا انتخاب ہیں یا نہیں؟ اسی طرح مفتی تقی عثمانی صاحب اور ملک غلام علی صاحب بھی آپ ہی کا چوائس ہیں یا نہیں؟ ـــــ گویا آپ کو ان کے علم وفضل پر بھی پورا اعتماد ہے اور دیانت اور امانت پر بھی ـــــ اس کے باوجود آپ نے ان کے ہاتھ پیر باندھ دیے اور متعدد معاملات کو ان کے دائرہ کار سے خارج قرار دے دیا یہاں تک کہ ان مسلم عائلی قوانین تک کو ان کے دائرہ کار سے خارج کر دیا' جن کے ضمن میں انگریز نے بھی کوئی مداخلت نہیں کی تھی ـــــ اس ضمن میں میرا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ جو میں کہوں آپ وہ کریں بلکہ صرف یہ ہے کہ آپ کورٹ کے ہاتھ کھول دیں ـــــ ابھی چودھری غلام احمد پرویز بھی زندہ ہیں (یاد رہے کہ یہ بات 1982ء کی ہے!) جن کے ایماء پر صدر ایوب صاحب نے یہ قوانین نافذ کیے تھے ـــــ اگر وہ بھی عدالت میں پیش ہو کر یہ ثابت کر دیں کہ ان قوانین میں کوئی چیز کتاب وسنت کے منافی شامل نہیں ہے ـــــ تو میں بھی خوش اور میرا خدا بھی خوش!! بصورت دیگر میرے لیے آپ کی مجلس شوریٰ کی شرکت جاری رکھنا ممکن نہیں ہے!'' ـــــ اس پر جب جنرل صاحب نے متفکرانہ انداز میں فرمایا کہ: ''لیکن پھر ان خواتین کو کون مطمئن کرے گا!'' ـــــ تو میں نے عرض کیا کہ ''اگر آپ کی سوچ کا معیار یہی ہے تو میرا استعفاء حاضر ہے!'' ـــــ

الغرض! یہ ہے عائلی قوانین کے ضمن میں میرا موقف اور اس کی پوری تاریخ اب بات اگرچہ لمبی ہو گئی ہے تاہم آپ اس سے قبل بھی بعض مواقع پر اپنے احباب کے خطوط ایک سے زائد قسطوں میں شائع کرتے رہے ہیں' لہٰذا میں یہ توقع کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہوں کہ میری ان گزارشات کو بھی من وعن شائع کر کے ممنون فرمائیں گے۔ فقط والسلام

(پ-ن: بھارت کے مسلمانوں نے جو قربانیاں مسلم عائلی قوانین کے ضمن میں مداخلت کے خلاف تحریک میں دی تھیں، ان کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ بھارت کی ایک اہم سیاسی جماعت بی جے پی کے منشور میں یہ درج ہے کہ مسلمانوں کے جداگانہ عائلی قوانین ختم کر دیئے جائیں گے اور اس کے باوجود کہ وہ مرکزی حکومت پر بھی قابض رہی وہ اس معاملے میں کوئی اقدام نہیں کر سکی۔ اس لیے کہ اس کے کولیشن پارٹنرز نے مسلمانوں کے عوامی ردعمل کے خوف کی بنا پر اسے اس کی اجازت نہیں دی!)

انسانیت کے مسائل کا حل خطبہ حجۃ الوداع کے آئینہ میں

غلام حیدر مگھرانہ

افراد سے جب معاشرہ وجود میں آتا ہے تو اس کا آغاز خاندان کی تشکیل سے ہوتا ہوا برادری، قوم و قومیت کی منازل طے کرتا ہے اور ان معاشرتی اداروں کی تشکیل میں دیگر عناصر کے علاوہ اہم اور نمایاں حیثیت نظریات اور زاویہ ہائے نظر کی ہوتی ہے، جو اگر صحت مند ہوں تو معاشرہ صحت مند کہلاتا ہے اور اگر وہ فاسد ہو جائیں تو معاشرہ تباہی سے دوچار ہو جاتا ہے اور معاشرے کو اس تباہی سے نکالنے اور اس کو دوبارہ شاہراہ کامیابی پر گامزن کرنے کے لیے داعی حق جب بیڑا اٹھاتا ہے تو اس کی اولین کوشش لوگوں کے نظریات کی اصلاح کی ہی ہوتی ہے، کیونکہ نظریات ہی انفرادی واجتماعی تبدیلی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔

دنیا میں ایسے نیک اور حساس لوگ بکثرت پائے گئے ہیں جنہوں نے بدی سے نفرت کی مگر وہ بدی کا مقابلہ کرنے پر تیار نہ ہو سکے اور اپنی جان کی سلامتی کے لیے تمدن سے کنارہ کش ہو کر غاروں اور کھوہوں میں پناہ گزیں ہوئے اور جوگی اور راہب بن گئے۔ مگر حضور اکرم ﷺ نے انسانیت کی نیا کو طوفانی موجوں میں ہچکولے کھاتے چھوڑ جانے کی بجائے بدی کے ہلاکت خیز گردابوں سے لڑ کر ساری اولاد آدم کے لیے نجات کا راستہ کھولا۔ تمدن کی کشتی کی تیوار سنبھالی اور پھر اسے ساحل مراد کی طرف رواں کر دیا۔

آنجناب ﷺ کو اپنی منزل کے حصول میں جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اس کا اندازہ آپ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے کہ "اللہ کی راہ میں مجھے ڈرانے، دھمکانے کے لیے وہ کچھ کیا گیا کہ کسی دوسرے کے لیے نہیں کیا گیا۔"

(مشکوٰۃ شریف)

حضور اکرم ﷺ نے محض فرد کو مخاطب بنا کر وعظ ہی نہیں کہے بلکہ انسانیت کے اس محسن نے پورے تمدنی شعور کے ساتھ حیات انسانی کی کامل تبدیلی پیش نظر رکھی۔ جب آپ خطبہ ارشاد فرماتے تو سامعین پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی، خوف الٰہی سے دل دہل جاتے، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، دل خشیت الٰہی سے کانپ اٹھتے۔ ہر شخص اپنے آپ کو بھول کر بیان کردہ شے کا مشاہدہ کر رہا ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کے مبارک خطاب کا اثر یہ ہوتا کہ پتھر سے پتھر دل بھی پگھل جاتا۔

حجۃ الوداع

جب سارے عرب میں اسلام پھیل چکا، خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز پر آ چکی، اسلام کے عقائد، اعمال اور شریعت کے اصول وفروع کی تکمیل ہو چکی، حکومت الٰہی کا قیام عمل میں آ چکا اور سارے عالم کی رہنمائی کے لیے ایک جماعت تیار ہو چکی، اس وقت یہ حکم نازل ہوا۔

"جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح پڑھو اور استغفار کرو، بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے"۔

اس سے آنحضرت ﷺ کو یہ منشائے الٰہی معلوم ہو گیا کہ اب آپ اپنا کام تمام کر چکے تو آپ نے جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کے سامنے خصوصاً اور ساری دنیا کے لیے عموماً اسلام، اس کی شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصولوں کا اعلان کرنے کے لیے حج کا اعلان فرمایا۔

سیرت النبی ﷺ کے مصنف کی تحقیق کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد صرف ایک حج ادا فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ہجرت کے زمانہ سے اب تک (10ھ) فریضۂ حج ادا نہیں فرمایا تھا۔ ایک مدت تک تو قریش سدراہ رہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے۔

بہر کیف اعلان حج ہوتے ہی مسلمانوں کا ایک انبوہ شرف ہمرکابی کے لے امنڈ آیا اور 26 ذوالقعدہ 10ھ کو آپ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے۔ تمام ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا۔ اس وقت انسانوں کے ہجوم کا حال یہ تھا کہ آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی، انسانوں کا دریا متلاطم نظر آتا تھا۔ آنحضرت ﷺ لبیک فرماتے تو عام مسلمانوں کی صدائے بازگشت سے دشت وجبل گونج اٹھتے تھے۔

اس کے بعد آپؐ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ہفتہ بھر بعد جب آپؐ سر شام مکہ کے قریب پہنچے تو ذی طویٰ میں ٹھہر گئے۔ وہیں رات گزاری اور فجر کی نماز پڑھ کر غسل فرمایا۔ پھر مکہ میں مسجد میں داخل ہوئے۔ یہ اتوار 4 ذی الحجہ 10ھ کا دن تھا...... راستے میں آٹھ راتیں گزاری تھیں...... اوسط رفتار سے اس مسافت کا یہی حساب بھی ہے۔...... مسجد حرام پہنچ کر آپؐ نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لیے سلطنت، ملک اور حمد ہے۔ وہ مارتا اور جلاتا ہے۔ اور تمام چیزوں پر قادر ہے۔ کوئی خدا نہیں مگر وہ اکیلا ہے، اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی"۔ پھر صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لے گئے اور طواف وسعی سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے، عمرہ تمام کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا، پنجشنبہ کے دن (آٹھویں تاریخ) منیٰ میں قیام فرمایا۔

نویں ذوالحجہ کو نماز فجر کے بعد حضور اکرم ﷺ مسلمانوں کے ساتھ عرفات تشریف لے گئے۔ عرفات میں ایک مقام نمرہ ہے۔ آپؐ نے ایک کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصواء تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ مراسم کو مٹا دیا۔

خطبوں کے متعلق تمام روایات کو یکجا کر کے اہل علم و تحقیق اس نتیجے پر پہنچے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں تین خطبے ارشاد فرمائے۔ پہلا 9 ذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں، دوسرا 10 ذوالحجہ کو منیٰ میں اور تیسرا 11 یا 12 ذوالحجہ کو منیٰ میں۔ ان میں بعض مطالب کو اپنی اہمیت کے پیش نظر دہرایا مگر انداز مختلف تھا۔

خطبۂ حجۃ الوداع کے سنہری اصول

آج اقوام متحدہ کی فلک بوس عمارتوں میں بیٹھ کر اقوام عالم کے سینکڑوں نمائندے Charter of human rights بناتے ہیں، اس پر لمبے چوڑے مباحثے اور سیمینار کرتے ہیں مگر اس کا نفاذ نہیں کر پاتے۔ صحرائے حجاز میں ایک نبی امی ﷺ نے میدان عرفات میں اونٹنی کی پیٹھ پر بیٹھ کر جو آواز بلند کی تھی وہ چودہ سو برس سے

اقصائے عالم میں گونج رہی ہے۔ ذرا غور کیجیے، بنی نوع انسان کے حقوق اور انسانیت کی عظمت وشرافت کے باب میں اس خطبے سے زیادہ واضح، پرسوز اور اثر انگیز آواز کیا آج تک دنیا کے کسی مصلح، کسی ریفارمر، کسی لیڈر یا کسی رہنما نے بلند کی، اور انسانیت کے کانوں نے سنی ہے؟

خطبہ حجۃ الوداع انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلقہ بے شمار تعلیمات کا فقید المثال مجموعہ ہے۔ انسانیت کے اس منشورِ آزادی میں حسب ذیل اصول بطورِ خاص غور طلب ہیں۔

1۔ مساواتِ انسانی کا اعلان

آپؐ نے نوعِ انسانی کو جو پہلا اصول دیا، وہ انسانی مساوات کا اصول ہے۔ آج تیسری دنیا اس کے لیے جدوجہد کر رہی ہے اور عالمی طاقتیں اسے یہ حق دینے میں تیار نہیں ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ آگاہ رہو عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر، اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔'' (مسند احمد)

تکمیلِ انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگِ راہ امتیازِ مراتب تھا جو دنیا کی تمام قوموں، تمام مذاہب اور تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم رکھا تھا۔ سلاطین سایہ یزدانی تھے جن کے آگے کسی کو چوں وچرا کی مجال نہ تھی۔ مذہبی پیشواؤں کے ساتھ کوئی شخص مذہبی مسائل میں گفتگو کا مجاز نہ تھا۔ شرفاء رزیلوں سے ایک بالاتر مخلوق تھی۔ غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے۔ آپؐ کی تعلیم سے یہ تمام فرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حد بندیاں دفعتاً ٹوٹ گئیں۔ حضور اکرم ﷺ نے امتیازِ مراتب کا خاتمہ کر دیا۔

2۔ جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ

حضور اکرم ﷺ نے جاہلانہ عصبیتوں کی بیخ کنی کی۔ عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا اور اسی بنا پر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی۔ آپؐ نے سب سے قدیم رسم، عرب کے سب سے مقدم فخر، خاندان کے پُرفخر مشغلہ کو ختم کر ڈالا اور اس کے لیے نبوت کے منادیؐ نے سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کیا۔

''جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقامِ خون) باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔'' (متفق علیہ)

3۔ خواتین کے حقوق کی تاکید

آپؐ نے عورتوں کے حقوق کی تاکید فرمائی۔ آج کی دنیا میں Women's liberty کی تحریک کا خلاصہ بھی یہی ہے، مگر اس نے عورتوں کے فرائض پر دھیان نہیں دیا، اسی لیے مغرب کی میکانکی زندگی میں ازدواجی رشتے اکثر ناکام ہو جاتے ہیں۔ آپؐ نے مرد اور عورت دونوں کے حقوق کی وضاحت فرما دی ہے اور بتا دیا ہے کہ عورت سے عفت وعصمت اور وفاداری کا مطالبہ کرنا مرد کا حق ہے۔ اس سے پہلے عورتیں ایک جائیدادِ منقولہ تھیں جو قمار بازی میں داؤ پر چڑھا دی جا سکتی تھیں۔ آج پہلا دن تھا کہ اس گروہ مظلوم، صنفِ لطیف اور جوہرِ نازک نے قدر دانی کا تاج پہنا۔

''عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو'' (صحیح مسلم)

''تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے'' (طبری)

4۔ فکرِ آخرت

اس خطبہ میں آپؐ نے تصورِ آخرت کو یاد دلایا جو اسلامی عقیدہ کی اساس ہے۔ اگر کوئی فرد یا معاشرہ خود کو احتساب (accountability) سے آزاد سمجھنے لگے تو ظاہر ہے کہ اس سے ظلم وشر کے سوا کچھ سرزد نہ ہوگا اور اسے کسی چیز کی دہائی نہیں دی جا سکتی۔ آج کی اصطلاح میں اسی کو Authoritarianism کہا جاتا ہے۔ ایک خدا ترس سوسائٹی میں ظلم وجبر کے پنپنے کے لیے مشکل ہی سے سازگار ماحول مل سکتا ہے۔ آپؐ نے اپنے پیروؤں سے بآوازِ بلند فرمایا:

''ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ تم کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔''
(بروایت ابوبکرہ)

5۔ فرسودہ روایات کی بیخ کنی

حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرسودہ روایات کی بیخ کنی کر کے ایک صحت مند سماجی انقلاب کی دعوت دی اور صاف اعلان فرمایا کہ جاہلی رسمیں سند نہ سمجھی جائیں۔ یہ radicalism کی بنیاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''ہاں، جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔'' (صحیح مسلم)

آپؐ نے دورِ جاہلیت کی وحشیانہ روایات کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

''ہاں، مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔'' (سنن ابن ماجہ وترمذی)

6۔ سود کی ممانعت

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جس میں غرباء کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور وہ ہمیشہ کے لیے اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے۔ آپؐ نے اس جال کا تار تار الگ کر دیا۔ اس غرض کے لیے بھی معلمِ حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش فرماتے ہیں۔

''جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔'' (صحیح مسلم)

7۔ کتاب وسنت کی پیروی کی ہدایت

آپؐ نے تمام مسلمانوں کو کتاب اللہ کی طرف بلایا جو اسلامی معاشرے کا بنیادی دستور ہے۔ ختمِ نبوت کا عقیدہ بھی واضح کر دیا۔ گویا اس دستور میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ دو چیزیں کیا ہیں؟ کتاب اللہ اور میری سنت۔''

8۔ اطاعتِ امیر

عرب کی بدامنی اور بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لیے ننگ اور عار جانتا تھا۔ آپؐ نے لوگوں کو امیر کی اطاعت کا حکم دیا۔ ارشاد ہوا:

''اگر کوئی حبشی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے کر چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔'' (صحیح مسلم)

9۔ انتہا پسندی کی ممانعت

آنحضرت ﷺ نے انتہا پسندی کی ممانعت فرمائی۔ وادی محسر کے راستے جب آپ جمرہ کے پاس آئے تو لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا:

''مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلے قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔'' (ابن ماجہ ونسائی)

10۔ جان ومال اور آبرو کی حرمت

ظلم اور فساد کی دلدل میں پھنسے ہوئے جاہلی معاشرہ کو حضور اکرم ﷺ نے امن کا پیغام دیا۔ عرب میں جان ومال کی کچھ قیمت نہ تھی۔ جو شخص چاہتا دوسرے کو قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا۔ آپؐ نے تمام

دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دیا۔

"تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر تاقیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔"

11۔ غلاموں سے حسن سلوک

آنحضرت ﷺ نے پسماندہ افراد کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے غلاموں کا بطور خاص ذکر کیا اور فرمایا:

"تمہارے غلام، تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔" (ابن سعد)

12۔ نسی کی رسم کا خاتمہ

آپؐ نے نسی کی رسم کو ختم کرتے ہوئے اس بات کا واضح اشارہ دے دیا کہ دین اسلام کے اصول اٹل ہیں اور ان میں کسی قسم کی حیلہ جوئی کی قطعاً اجازت نہیں۔ اس رسم کے ذریعے سینکڑوں احکام شرعیہ میں تحریف ہوتی تھی۔ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی اس رسم کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنے منیٰ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"یعنی زمانہ پھر پھرا کر اپنی اسی ہیئت پر آ گیا جس پر اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا۔"

خطبہ حجۃ الوداع کی اثر آفرینی

حضور اکرم ﷺ کا یہ خطبہ رہتی دنیا تک کے لیے عظمت انسانی کا اعلان کرتا ہے۔ اس ورلڈ آرڈر کے نفاذ سے بدامنی اور ظلم و بربریت کا خاتمہ ہو گیا اور ایک ایسے بین الاقوامی معاشرے کا افتتاح ہوا جس میں خیر، تعمیر، ارتقاء اور عدل ہی عدل تھا، جو انسان کے بنیادی حقوق کا ضامن تھا، جس میں بین الاقوامی قوانین کی پاسداری، عالمی امن کے قیام، پرامن بقائے باہمی، غلامی سے نجات، حق کی معاونت اور ظلم سے نجات کے سنہری اصول دیئے گئے تھے۔ اسلامک ورلڈ آرڈر کے سنہری اصولوں کے تحت خلفائے راشدین کے عہدِ خلافت 661ء تک مسلمانوں نے جتنے علاقوں کو فتح کیا وہاں کے غیر منصفانہ اور مستبدانہ قوانین کو منسوخ کر دیا گیا اور اسلامی قوانین کا نفاذ کر کے لوگوں کو عدل و انصاف فراہم کیا گیا۔ عہد خلافت راشدہ اور دور بنو امیہ سے لے کر سلطنت عثمانیہ کے خاتمے (1924ء) تک یہ نظام کسی نہ کسی صورت میں باقی رہا۔ بنابریں مسلمان بین الاقوامی سیاست میں نمایاں کردار ادا کرتے رہے۔ مسلمان فاتحین نے انہی اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنی داخلہ و خارجہ پالیسیوں کو تشکیل دیا۔

دور حاضر میں مسلمانوں کی ناکامی کی اصل وجہ

جس وقت ایک قوم اپنی تہذیب، اقدار اور بنیادی نظریات سے قطع تعلق کر لے، عین اس لمحے اس قوم کا دور غلامی شروع ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے امت مسلمہ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ آج اسلام کے نام لیوا اسلامی شعائر کا سنگین مذاق اڑا رہے ہیں اور اللہ کے قانون سے کھلم کھلا بغاوت کی جا رہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

"اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی لوگ کافر ہیں۔"

افسوس ہے کہ جب ہمارا یورپ والوں کے ساتھ اختلاط ہوا تو ہم نے ان سے ان کے غیر اسلامی کفریہ نظریات، آخرت سے غفلت اور بے حیائی و بداخلاقی تو سب سیکھ لیا لیکن ان کے وہ اعمال نہ سیکھے جن کی وجہ سے وہ دنیا میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ہم نے اُن کی ان تھک کوشش، محنت، پلاننگ، اور اپنے نظریے کے فروغ کے لیے قربانی کے جذبے میں نقل اتارنے کی کوشش نہ کی۔ لہٰذا اگر بحیثیت امت ہم زبوں حالی اور زوال کا شکار ہیں تو اِس میں قصور (نعوذ باللہ) ہمارے دین کا نہیں بلکہ ہمارا اپنا ہے۔ محض نسلی طور پر اسلام کا نام رکھ لینا ہمیں کھویا ہوا مقام واپس نہیں دلا سکتا، جب تک ایمان، عمل صالح اور حق کے غلبے کو لیے ہر طرح کی قربانی کے اصولوں کو اختیار نہ کیا جائے۔

امت مسلمہ کی کامیابی کا راز

خلافتِ راشدہ کے عہد مبارک میں ملک پر ملک فتح ہوتا چلا گیا۔ اس لیے نہیں کہ مسلمان کی تلوار سخت تھی بلکہ اس لیے کہ وہ جس اصول عدل و مساوات کو لے کر نکلے تھے، اس کے سامنے کوئی گردن جھکے بغیر نہ رہ سکی۔ ایران میں ویسا ہی اونچ نیچ کا فرق تھا جیسا کہ عرب جاہلیت میں تھا۔ جب ایرانیوں نے مسلمانوں کو ایک صف میں کھڑے دیکھا تو ان کے دل خود بخود مسخر ہو گئے۔ اس تسخیر میں تلوار نے اگر ایک فیصد کام کیا ہے تو اس اصول عدل نے ننانوے فیصد کام کیا۔

مسلمان کی طاقت باہمی اتحاد میں ہے۔ وہ جب بھی اس اصول سے ہٹے، مار کھائی۔ اسپین پر مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت رہی۔ جب مسلمان وہاں سے نکلے تو اس کی بھی وجہ تھی یعنی قبائلی عصبیت کی بنا پر باہمی چپقلش۔ ایک قبیلہ دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور باہم دگر لڑنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف سپین سے بے دخل کیے گئے بلکہ صدیوں تک سرزمین سپین مسلمانوں کے وجود سے خالی رہی۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی طاقت اس لیے ٹوٹی کہ ان میں وہی جاہلیت کی عصبیتیں ابھر آئی تھیں۔ کوئی اپنے مغل ہونے پر ناز کرتا تھا تو کوئی پٹھان ہونے پر۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ پہلے مرہٹوں سے پٹے، پھر سکھوں سے، اور آخر میں چھ ہزار میل دور سے ایک غیر قوم انگریز آ کر ان پر حاکم بن گئی۔ اسی صدی میں ترکی کی عظیم الشان سلطنت ختم ہو گئی۔ اس کی وجہ بھی باہمی انتشار تھا۔ نیشنلزم کے تصور کے تحت عرب ترکوں سے برسرپیکار ہو گئے۔ عرب اپنے نزدیک اپنے لیے آزادی حاصل کر رہے تھے، لیکن ہو یہ رہا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کا جو بھی ٹکڑا ترکوں کے تسلط سے نکلتا تھا وہ یا تو انگریزوں کے قبضے میں پہنچ جاتا تھا یا فرانسیسیوں کی نذر ہو جاتا تھا اور یہی معاملہ آج بھی ہے۔ یمن میں ڈھائی لاکھ عرب خانہ جنگی میں مارے گئے۔ اردن، شام اور لبنان پہلے 48ء میں پٹے، پھر 65ء اور 66ء میں، حالانکہ سب عرب متحد ہو جائیں تو اپنی تعداد اور رقبے کے لحاظ سے اسرائیل سے کئی گنا بڑے ہیں اور اُس کے دانت کھٹے کر سکتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "قرآن حجت ہے، تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف"۔ جو قوم اس کی پیروی کرتی ہے یہ قرآن اس کے حق میں حجت ہے اور جو پیروی نہیں کرتی اور وہ یہ جانتی ہے کہ یہ حق ہے تو یہ اس کے خلاف حجت بن کر کھڑا ہو گا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص قانون کو جاننے والا ہے اور دوسرا اس سے ناواقف ہے۔ قانون اس کے خلاف حجت ہے، جو قانون کو جانتا ہے، پھر بھی اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اگر ہم اس کلمے کو لے کر اٹھیں گے تو نہ صرف اپنا ملک مضبوط و مستحکم ہو گا بلکہ مشرق و مغرب مفتوح ہو جائیں گے، لیکن کلمے کو چھوڑ کر قومیتوں کے پیچھے پڑے رہیں گے تو پرکاہ کی حیثیت باقی نہ رہے گی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہم سے صرف عبادات اور پوجا پاٹ کا ہی تقاضا کرتا ہے یا کہ اس کے مفہوم میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے علاوہ معاملات دنیا بھی شامل ہیں؟ قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور خطبات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے معاشرے کی کامل اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور باکردار لوگوں کی ایسی منظم جماعت تیار کی جس نے انتہائی قلیل عرصے میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم دین کا صحیح مفہوم سمجھیں اور سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں معاشرے کی مکمل تطہیر کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں۔ خطبہ حجۃ الوداع اس سلسلے میں ہمارے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

✿✿✿✿✿

آوازِ خلق......

نعیم اختر عدنان

1947ء میں برعظیم میں ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی اور پاکستان اور بھارت کے نام سے دو آزاد اور خودمختار ملک دنیا کے نقشے پر ظاہر ہوئے۔ قیام پاکستان کے نام سے معرض وجود میں آنے والا ملک اسلامی دنیا کا سب سے بڑا ملک بن کر سامنے آیا۔ اس نئے ملک کا بنیادی نظریہ، رنگ، نسل، لسان اور جغرافیہ کی بجائے دین اسلام قرار پایا، کیونکہ ایک مسلمان کے لیے اس کا دین و مذہب ہی سب کچھ ہوتا ہے، بقول اقبال ''اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے''۔

بانیٔ پاکستان اور مفکرِ پاکستان کے نزدیک برعظیم میں مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کا قیام درحقیقت دین اسلام کی عادلانہ تعلیمات کے عملی نفاذ کے لیے عمل میں آیا، مگر اس نئے ملک کی سیاسی، مذہبی قیادت اور حکمران طبقات نے اپنی اجتماعی اور مسلسل غلطیوں سے ملک کو اس کے اصل نظریہ سے بہت دور کر دیا۔ چنانچہ اب صورت حال کچھ اس طرح کی ہے کہ ''پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی۔'' پاکستان کہنے کو ایک آزاد اور خود مختار ملک ہے، بلکہ اب تو اسے دنیائے اسلام کی واحد ایٹمی طاقت کا اعزاز بھی حاصل ہے، مگر آزاد اور خودمختار ممالک اور اقوام کی صف میں پاکستان کی آزادی اور خودمختاری ایک ''تہمت'' ہی کے مترادف لگتی ہے۔ ہماری سیاسی اور فوجی قیادت نے ہر دور میں ''وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے'' کے اصول کے تحت امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بن کر ہی اپنا ''نام روشن اور سربلند'' کرنے کی سعی وجہد کی۔ افغانستان پر سوویت یونین کی فوجی یلغار کے طویل عرصہ میں پاکستان کی مسلح افواج، حکمران اور مذہبی و دینی عناصر سبھی ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر امریکی عزائم کی تکمیل کے لیے چپ وراست کرتے رہے تا آنکہ سوویت یونین کا سپر طاقت کی حیثیت سے کریا کرم ہو گیا اور کمیونزم بھی صفحۂ ہستی کی بھولی بسری داستان بن کر رہ گیا۔

پاکستان اور افغانستان پوری دنیا کے مسلم مجاہدین کی تربیت گاہ اور چھاؤنی بن گئے۔ اور امریکہ دنیا کی واحد سپر طاقت کے طور پر نئے عالمی نظام (New World Order) کا نعرۂ مستانہ لگا کر ایک نئی استعماری طاقت کی حیثیت سے اسلامی ممالک پر حملہ آور ہو گیا۔ اس نئی عالمی استعماری طاقت نے سب سے پہلے عراق کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا اور اقوام متحدہ کے جھنڈے تلے مسلم اور غیر مسلم افواج نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی مگر عراق کی خودمختاری اور آزادی عملاً قابض افواج کی واپسی کی وجہ سے قائم و برقرار رہی۔ امریکہ کے تاج وتخت کی وراثت ایک مرتبہ پھر ''بش'' کے ہاتھ میں آ گئی جو کہلانے کو تو ''جونیئر بش'' کہلایا مگر اپنے سیاہ کارناموں کی وجہ سے اپنے باپ یعنی ''سینئر بش'' کو بھی مات دے گیا۔ عراق کے بعد طالبان کا ''امارت اسلامی افغانستان'' بھی امریکہ اور یورپی اقوام کی دہشت گردی کا شکار ہو گیا۔ ماضی کی طرح پاکستان کا فوجی حکمران ٹولہ بش کی تمام اداؤں پر دم بھرنے لگا اور یوں پاکستان بزعم خود دہشت گردی کے جنگ کا فرنٹ لائن اتحادی بن گیا۔ وہ دن اور آج کا دن 'اسلامی' جمہوریہ پاکستان اپنی سالمیت، اپنی خودمختاری، اپنی آزادی کا خود دشمن بنا، اپنے ہی ہم وطنوں اور ہم مذہبوں سے برسرپیکار ہے۔ ایک سال پہلے تک فوجی حکمران امریکی عزائم بسروچشم پورے کر رہا تھا، تو اب ایوان صدر میں بیٹھا جمہوری جیالا ''دہشت گردی کی جنگ ہماری اپنی جنگ ہے'' کا پرانا ریکارڈ بجا کر نئے ریکارڈ قائم کر رہا ہے۔

فلسطینی اور کشمیری مسلمانوں کے خون سے رنگین ہاتھوں والے بھارت اور اسرائیل کا مربی اور ''انکل'' عراق اور افغانستان کے مسلمانوں کا قاتل اب پاکستان کی طرف ''پیار بھری'' نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ پاکستان جیسا ملک امریکی شکنجہ کی بدترین گرفت میں آ چکا ہے جس کے دانشوروں نے نصف صدی سے بھی قبل ''امریکہ کا جو یار ہے، غدار ہے غدار ہے'' کا دانشمندانہ نعرۂ مستانہ بلند کیا تھا مگر ہم نے اس فغاں کا کوئی اثر قبول نہ کیا اور ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کی پالیسی کو ''اپنا پلان'' بنا لیا۔ وطن عزیز کی سیاسی اور مذہبی تنظیمیں اور عوام پریشان حال ہیں کہ مشرف سے تو جان چھوٹ گئی مگر آصف علی زرداری کی شکل میں ''مشرف کا استاذ'' (بحوالہ دہشت گردی کی جنگ) وطن عزیز پر مسلط ہو چکا ہے۔ آج کوئی حبیب جالب اور فیض احمد فیض تو ہمارے درمیان موجود نہیں مگر کہتے ہیں کہ ''زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو'' اور زبان خلق جو کچھ کہہ رہی ہے اس سے کون واقف نہیں۔ آصف علی زرداری کے بارے میں ایسے ایسے اشعار اور تحریریں سامنے آ رہی ہیں جنہیں ندائے خلافت میں شائع نہیں کیا جا سکتا۔

شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام سے واقفیت' اور دورِ حاضر کے شرک سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے مطالعہ کیجیے:

حقیقت واقسامِ شرک

بانیٔ تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے چھ فکر انگیز خطابات

معیاری کمپیوٹر کمپوزنگ ❁ عمدہ طباعت ❁ 128 صفحات

قیمت: اشاعت عام: 50 روپے' اشاعت خاص: 90 روپے

شائع کردہ: مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-5869501

خوئے غلامی

عرفان صدیقی

غلامی محض ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کا نہیں، ایک کیفیت کا نام ہے، جو پہلے پہل کسی موذی مرض کی طرح قیادت کے منصب پر جلوہ گر فرمانرواؤں کے لہو میں جنم لیتی اور پھر سرطان کی صورت ہولے ہولے نہ صرف ان کے ہر قطرۂ خون میں سرایت کرجاتی بلکہ ان فرمانرواؤں کی رعایا کو بھی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس مرض کا وائرس پہلے عزت نفس کو چاٹتا، پھر شرم وحیا کے احساس پر حملہ کرتا، پھر غیرت و حمیت کو لقمہ بناتا، پھر دل کی شورزدہ زمین میں خود غرضی اور مفاد پرستی کے بیج بوتا اور آخر کار انسان کو ایسے غلامانہ قالب میں ڈھال دیتا ہے کہ اس کی جبین نیاز میں، کسی زورآور کی چوکھٹ کے لیے ہزاروں سجدے تڑپنے لگتے ہیں۔ ہمارے فیصلہ ساز اسی مرض میں مبتلا ہیں اور وہ قوم کو بھی اسی روگ کے جہنم میں جھونک رہے ہیں۔

قبائلی علاقوں کے بعد اب امریکی حملے صوبہ سرحد کے بندوبستی علاقوں میں داخل ہوگئے ہیں۔ منگل اور بدھ کی درمیانی شب امریکی ڈرون نے بنوں کے علاقے جانی خیل میں ایک گھر کو نشانہ بنایا۔ میزائل حملے میں چھ افراد جاں بحق ہوگئے۔ امریکیوں نے عبداللہ اعظم السعودی کو ہلاک کرنے کا اعلان کیا جو نو سال قبل 1999ء میں شہید ہوچکے ہیں۔ بنوں کے ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر محمد عالم کا کہنا ہے کہ جاں بحق ہونے والوں میں کوئی غیرملکی باشندہ شامل نہیں۔

سات سال پہلے پرویز مشرف نامی ڈکٹیٹر نے رچرڈ آرمیٹیج کی مبینہ دھمکی اور کولن پاول کے ایک ٹیلیفون سے حواس باختہ ہوکر امریکی کروسیڈ کا آلہ کار بننے کا ایسا فیصلہ کیا جو پاکستان کے گلے کی پھانس بن کر رہ گیا ہے، اس لیے نہیں کہ بے حمیت غلامی کے فولادی جال کو توڑنا ممکن نہیں، اس لیے کہ نئے حکمرانوں میں بھی یہ عزم ناپید ہے اور وہ بھی اپنے اقتدار کے استحکام وتسلسل کے لیے امریکہ کی دست بستہ اطاعت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ شاید پیپلز پارٹی کی قیادت تسلیم نہ کرے لیکن 18 فروری کے انتخابات میں پاکستانی عوام کی رائے میں یہ نکتہ خاصا نمایاں تھا کہ وہ امریکہ کی غلامانہ چاکری اور نام نہاد وار آن ٹیرر کے چنگل سے نکلنا چاہتے ہیں۔ انتخابات سے قبل پاکستان کی پالیسی یا حکمت عملی صرف "بش مشرف گٹھ جوڑ" کا نام تھی۔ انتخابات کے بعد بھی یہ گٹھ جوڑ جاری ہے۔ پیپلز پارٹی نے مشرف پالیسی میں تبدیلی لانے کا ارادہ کیا، نہ کوشش، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جمہوری سیٹ اپ کے بعد امریکہ کے انداز واطوار میں زیادہ جارحانہ پن آگیا اور پاکستان کے ردعمل میں بے حمیتی کا رنگ پہلے سے کہیں زیادہ گہرا ہوگیا۔ کئی شواہد اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ موجودہ حکومت نے امریکیوں کو کھیل کھیلنے کی اجازت دے دی ہے۔ مثلاً یہ کہ جتنے امریکی

> **واشنگٹن پوسٹ کے مطابق "پاکستان پر امریکی حملے، دونوں ملکوں کے درمیان ہونے والی خفیہ مفاہمت کا نتیجہ ہیں۔ یہ مفاہمت اسی سال ستمبر میں طے پائی جس کا بنیادی فارمولا ہے: "نہ پوچھو، نہ بتاؤ"**

حملے گزشتہ چھ ماہ میں ہوئے ہیں، اتنے 18 فروری سے قبل کے چھ سالوں میں نہیں ہوئے۔ اسی عرصے میں امریکی کمانڈوز کو پہلی بار سرحد پار کرکے پاکستان میں داخل ہونے اور زمینی کارروائی کرنے کا حوصلہ ہوا اور اب پہلی بار امریکی حملے قبائلی علاقوں سے نکل کر صوبائی انتظامی سرحدوں میں داخل ہوگئے ہیں۔ ہمارے "جمہوری بندوبست" کی رضامندی کے بغیر یہ کیسے ہوا؟ ان شواہد میں بااثر امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ میں شائع ہونے والی ان رپورٹس کو بھی پیش نظر رکھیے، جو تواتر سے شائع ہورہی ہیں۔ 16 نومبر کو شائع ہونے والی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ "پاکستان پر امریکی حملے، دونوں ملکوں کے درمیان ہونے والی خفیہ مفاہمت کا نتیجہ ہیں۔ یہ مفاہمت اسی سال ستمبر میں طے پائی جس کا بنیادی فارمولا ہے: "نہ پوچھو نہ بتاؤ" اخبار مزید کہتا ہے "پرویز مشرف زبانی کلامی شور زیادہ کرتے تھے جبکہ آصف زرداری مکمل تعاون کررہے ہیں اور اس کا کریڈٹ بھی نہیں لے رہے۔ وزیراعظم کو بھی اس خفیہ مفاہمت کا علم نہیں، جس کی رو سے امریکہ حملے کرتا رہے گا اور پاکستان شکایت کرتا رہے گا۔" حکومت پاکستان نے اس کی تردید کی ہے اور خلق خدا اس ستم ظریفی پر خون کے گھونٹ پی رہی ہے۔

دو دن قبل ایک امریکی کمانڈر نے خبر دی کہ "ہم نے دہشت گردوں" کے خاتمے کے لیے پاکستان کے ساتھ مل کر ایک مشترکہ آپریشن شروع کیا ہے جس کا نام لائن ہرٹ (Lion Heart) ہے۔ آئی ایس پی آر نے اس کی تردید کرتے ہوئے قوم کو بتایا کہ "سرحد کی پاکستانی جانب سے شروع کیے گئے آپریشن کا نام "شیردل" ہے اور اس کا سرحد پار امریکی آپریشن لائن ہرٹ سے کوئی تعلق نہیں۔ اب کون پوچھے کہ "لائن ہرٹ" اور "شیردل" میں کیا فرق ہے؟ کیا ہمارے پاس اردو یا انگریزی لغت میں اور کوئی لفظ نہ تھا؟ کیا ہماری فوج کو علم نہیں کہ "لائن ہرٹ" یا شیردل کا دولفظی مرکب صلیبی جنگوں کے کس عیسائی کردار کے لیے استعمال ہوتا ہے؟ شاید بعض اوقات مضحکہ خیزی ساری حدیں پھلانگ جاتی ہے۔

اس "جرأت مندانہ" اعلان کے بعد کہ "ہم امریکہ کے غلام نہیں" وزیراعظم گیلانی قوم کو تسلیاں دیتے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں، اوباما آئے گا تو اس کے دل میں رحم کا جذبہ انگڑائی لے گا اور وہ ہمیں نہیں مارے گا، لیکن مبصرین کی سوچ اس کے برعکس ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عراق کا آتش کدہ تو شاید ٹھنڈا پڑجائے لیکن افغانستان کا الاؤ مزید بھڑکے گا اور پاکستان پر یلغار تیز تر ہوجائے گی۔ ہیلری کلنٹن کی بطور وزیرخارجہ نامزدگی اس امر کا اشارہ ہے کہ پاکستان کس نوع کی صورت حال سے دوچار ہونے والا ہے۔ انتخابی مہم کے دوران ہیلری کی زہرافشانی کوئی بہت دور کی بات نہیں۔

معروف امریکی جریدے "نیوزویک" نے انکشاف کیا ہے کہ پہلے امریکی افواج کسی انٹیلی جنس اطلاع پر نوے فیصد یقین کے بعد کارروائی کرتی تھیں۔ تازہ حکم کے مطابق وہ پچاس فیصد یقین یا شک پر بھی حملہ کرسکیں گے۔ ہماری طرف سے "غلامی نہ کرنے" کا عزم اسی شان وشوکت کے ساتھ جاری رہا تو بعید نہیں کہ امریکہ کسی خواب کی بنیاد پر یا محض

تفریح طبع کے لئے ہماری بستیوں پر بم برساتا اور بے گناہوں کے پرخچے اڑاتا رہے۔ بنوں پر حملے کے بعد یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ کسی کچی پکی اطلاع پر اسلام آباد، لاہور، کوئٹہ، کراچی یا کوہاٹ پر حملے کا امکان کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ لوگ تو یہ کہنے لگے ہیں کہ امریکی سفیر کو دفتر خارجہ طلب کرنا بھی اسی فتنہ گر خفیہ مفاہمت کی ایک شق ہے۔ دراصل یہ پرتکلف چائے کی ایک دعوت ہوتی ہے اور خوش گپیوں کی ایک پر لطف محفل۔ قائد حزب اختلاف چودھری نثار علی خان نے بجا طور پر کہا ہے کہ اگر واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ غلط ہے تو اتنے بڑے بہتان پر اس کے خلاف ہرجانے کا دعویٰ کیوں نہیں کیا جاتا؟ امریکہ میں تو انتہائی سخت قوانین موجود ہیں اور ہمارے سفیر حسین حقانی سے زیادہ مستعد، فعال اور متحرک اور کون ہوسکتا ہے۔

پارلیمنٹ کی متفقہ قرارداد کو ایک مہینہ ہوگیا ہے، امریکہ نے اس قرارداد کی دھجیاں اڑا کے رکھ دی ہیں۔ پہلے اس نے یہ ثابت کیا کہ مشرف رہے یا جائے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب وہ یہ باور کروا رہا ہے کہ سولہ کروڑ پاکستانیوں کی ترجمان پارلیمنٹ میرے بموں اور میزائلوں کا راستہ نہیں روک سکتی۔ اقتدار کے ایوانوں سے رنگا رنگ بیانات جاری ہورہے ہیں لیکن یہ بندوبست اعتبار اور ساکھ سے اس قدر عاری ہے کہ کسی کو یقین نہیں آرہا اور تقریباً پوری قوم ''واشنگٹن پوسٹ'' کی کہانی کو برحق خیال کرتی ہے۔

خوئے غلامی کا موذی وائرس ہماری موجودہ حکمران قیادت کے دلوں میں بھی گھر کر چکا ہے اور اس کی جبین نیاز میں بھی مشرف ہی کی طرح امریکی قصر سفید کی چوکھٹ کے لئے ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں۔ پارلیمنٹ کی قرارداد کیا کرے گی اور اس کی کمیٹی کون سا معجزہ کر دکھائے گی؟

(بشکریہ روزنامہ ''جنگ'')

گوشۂ خواتین

فرینڈلی فائرنگ اور 'زندہ' قوم

مسز سجاد منصور

احساسات سے عاری، زمانے کی نزاکت سے بے پروا، اپنے مستقبل سے غافل، خطرات سے آنکھیں چرانے والے، ہم ہیں پاکستانی مسلمان۔

ہم ایسے کیوں ہوگئے ہیں، بہت ہی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ ہمیں آزادی کے لیے جس قدر جدوجہد کی ضرورت تھی، اُس سے بہت کم قیمت پر ہمیں یہ عظیم مملکت خداداد عطا ہوئی۔ قتل و غارت تو زیادہ اعلانِ آزادی کے بعد ہوا۔ آزادی کے اعلان سے قبل تو ہندو اور مسلمان بہت اچھے ہمسائے اور دُکھ سکھ میں شریک ہونے والے تھے۔ اچانک اندر لگی ہوئی آگ بھڑک اُٹھی۔ آزادی کے لئے قربانیاں تو ''کشمیری'' دے رہے ہیں۔ حصول آزادی کے لئے جان گسل جدوجہد تو فلسطینی مسلمانوں کی ہے جو روزانہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ ممکن ہے آپ میری بات سے اتفاق نہ کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مشرقی پنجاب سے جو لٹے پٹے قافلے واہگہ کے پار پہنچے، اُن میں جو لوگ پڑھے لکھے اور تیز طرار تھے، انہوں نے سنبھلنے کے فوراً بعد جائیدادیں بنانے کی فکر کی اور مقابلے کی دوڑ میں مقامی لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اِس کا نتیجہ کیا نکلا؟ وہ اپنے بچوں کی تربیت سے یکسر غافل ہوگئے اور آج یہی تربیت سے عاری وہ نسل ہے کہ جن کے ہاتھ میں ملک کی بھاگ دوڑ ہے۔ ان میں سے بیشتر پاکستان بننے کے بعد پیدا ہوئے۔ آج وہی بزرگ شکوہ کرتے ہیں کہ ہم نے تو پاکستان بنا دیا لیکن نئی نسل نے اُسے سنبھالا نہیں۔ یہ نئی نسل مریخ سے نازل نہیں ہوئی، آپ لوگوں کی ہی کی تربیت یافتہ ہے، جن کے ہاں اُستاد سے زیادہ رشوت خور پٹواری کی اہمیت تھی اور ایک شریف النفس آدمی کی بجائے اُس شخص کی قدر و منزلت زیادہ تھی جو دولت مند ہو، قطع نظر اس سے کہ اُس نے دولت کہاں سے جمع کی۔ اَب جبکہ کشتی بیچ منجدھار کے ہچکولے کھا رہی ہے ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں لوریاں دے رہا ہے۔ فرینڈلی فائرنگ کا اثر صرف انہی لوگوں پر دکھائی دیتا ہے جو ''فرینڈز'' کی فائرنگ کا شکار ہو رہے ہیں، اور باقی اپنی اپنی خوشیوں میں مگن ہیں۔ اپنے ہی وطن میں تین لاکھ سے زائد مہاجر بن جانے والے قبائلی بھائی بہنوں سے ہمارا کیا تعلق، خودکش حملوں میں زندہ جل جانے والے معصوموں سے ہمارا کیا واسطہ۔ ''ہم زندہ قوم ہیں پائندہ قوم ہیں''۔ ہم ہر دو چار سال بعد الیکشن الیکشن کھیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے لیتے ہیں اور بس!

کیا یہ ''زندہ قوم'' اپنے اعمال سے خود اپنی ہی قبر نہیں کھود رہی ہے۔ کیا ہم یہ سوچ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں کہ ہماری تربیت ہمارے بزرگوں نے نہیں کی، لہٰذا ہم اپنی اولاد کی طرف توجہ کیوں دیں۔ کیا ہم آنے والے حالات سے، جو ہر کھلی آنکھ رکھنے والا شخص دیکھ سکتا ہے، آنکھیں چرالیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مجرمانہ غفلت ہوگی۔ ہمیں چاہیے کہ اس ابابیل کی مانند اٹھ کھڑے ہوں جو اس آگ کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے روشن کی گئی تھی، بجھانے کے لیے اپنے منہ میں پانی کے چند قطرے لے کر فضا میں بلند ہوئی کہ میں تو اپنا فرض ضرور ادا کروں گی۔ آگ کو بجھانا تو میرے بس میں نہیں لیکن میں اللہ کے حضور اُن لوگوں میں ضرور شامل ہوجاؤں گی، جنہوں نے آگ کو بجھانے کی کوشش کی تھی۔

ضرورت رشتہ

☆ جٹ فیملی کے 25 سالہ نوجوان آرکیٹیکچر انجینئرنگ U.E.T. کے لیے دیندار تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 042-6615158

☆ اہلسنت والجماعت اور راجپوت فیملی سے تعلق رکھنے والی لڑکی، عمر 25 سال، ایف اے پاس کے لیے برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 042-6524266

☆ 20 سالہ ایف اے پاس زیر تعلیم آرکیٹیکٹ کورس دوشیزہ کے لیے دینی گھرانے سے موزوں رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0323-4878180

☆ مذہبی رجحان رکھنے والی اعوان فیملی کو اپنی بیٹی عمر 28 سال، تعلیم میٹرک، پابند صوم وصلوٰۃ کے لیے دینی مزاج کے حامل، برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 042-5600128

0300-4130938

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں کے زیر اہتمام تربیتی پروگرام

اس پروگرام کا آغاز صبح آٹھ بجے قرآن اکیڈمی یاسین آباد کراچی میں ہوا۔ سب سے پہلے عامر خان نے سورۃ العصر کے حوالے سے تذکیر کا فریضہ انجام دیا۔ اعجاز لطیف نے اپنی گفتگو میں چند دلچسپ اور سبق آموز واقعات سنائے، نیز دنیا کے جائے عبرت ہونے کے حوالے سے مشہور نظم "یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے" سنائی۔ انہوں نے کہا کہ انسان کی بنیادی ضرورتیں صرف خوراک، گھر اور لباس ہے مگر افسوس کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت دنیا کے حصول میں لگا رہتا ہے۔ انہوں نے دو احادیث کا بھی تذکرہ کیا جن میں سے ایک میں دنیا کو مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت قرار دیا گیا اور دوسری میں فرمایا گیا کہ اللہ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ آخر میں انہوں نے حج بیت اللہ کے حوالے سے مبارک سنتوں کا بیان فرمایا۔

ناشتہ کے بعد میزبان وسطی تنظیم کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا۔ انجینئر نوید احمد نے "اتباع رسولؐ: قرآن حکیم کی روشنی میں" کے موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ سنت کا ایک محدود تصور ہے جس سے لوگ بالعموم واقف ہیں اور ایک وسیع تر تصور ہے جو قرآن حکیم پیش کرتا ہے۔ امام راغب اصفہانی کے مطابق سنت نقش قدم پر چلنا ہے، پیچھے آنا ہے۔ پیروی کسی لالچ کے تحت بھی ہوتی ہے اور دلی محبت کے ساتھ بھی۔ سنت کی پیروی کا محرک اللہ کے رسول ﷺ کی محبت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی اتباع کا تذکرہ قرآن کریم میں آٹھ مقامات پر آیا ہے۔ اس کی اہمیت سورۂ آل عمران کی اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اتباع رسول ﷺ، آپؐ کی شفاعت اور اللہ کی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اتباع رسولؐ کے مختلف گوشوں پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک داعی کے لیے اتباع رسولؐ نہ صرف دعوت دین کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہے بلکہ اقامت دین کی جدوجہد کے لیے بھی اس کی بے حد اہمیت ہے۔

عبدالرزاق کوڈواوی نے تزکیہ نفس کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تزکیہ ناگزیر انقلابی ضرورت ہے جس کا مطلب نفس کی اصلاح ہے۔ اس کے برعکس تسدیہ ہے، جس کا مطلب نیکی کے جذبات کو دبانا اور بدی کے جذبات کو ابھارنا ہے۔ تزکیہ کا تعلق صرف انفرادی زندگی سے نہیں بلکہ اجتماعیت سے بھی ہے۔ اس سے اگر ایک جانب فرد کی اصلاح ہوتی ہے تو دوسری جانب غیر صالح اور خدا سے باغی معاشرے کے خلاف جدوجہد کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ تزکیہ نفس کا ذریعہ کتاب و حکمت ہے۔ یہ قول بہت معروف ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اسی طرح سقراط کا یہ قول بھی بہت مشہور ہے کہ "اے انسان! تو اپنے آپ کو پہچان"۔ انہوں نے کہا کہ نفس کے باطنی اعضاء چار ہیں:۔ (1) قوت علم (2) قوت غضب (3) قوت شہوت اور (4) قوت عدل ہیں

تزکیہ نفس کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اس کے لیے چند باتیں ضروری ہیں۔

(1) اس کا ادراک کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

(2) قوت غضب اور قوت شہوت پر کنٹرول رکھا جائے۔

(3) قوت غضب پر قابو پانے کے نتیجے میں شجاعت اور قوت شہوت پر قابو پانے سے پارسائی حاصل ہوتی ہے۔

انہوں نے تزکیہ نفس کے لائحہ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے درج ذیل امور کا تذکرہ کیا۔

1) اصلاح کا سچا اور پکا ارادہ
2) ایمان کی مضبوطی (یقین کے سانچے میں ڈھلا ہوا)
3) نبی اکرم ﷺ کی اتباع
4) دنیا سے بے رغبتی
5) ذکر اللہ
6) شیطان کے حملوں سے چوکنا رہنا
7) نعمتوں پر شکر اور مصائب پر صبر
8) اجتماعی زندگی اختیار کرنا
9) فریضۂ اقامت دین کی جدوجہد میں شرکت
10) دماغ کی قوت کے لیے کلام الٰہی
11) جسم کی تندرستی کے لیے نماز کی ادائیگی
12) روح کی راحت کے لئے درود شریف کا ورد

اور ان تمام امور کے بعد دعا کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔

ڈاکٹر الیاس نے سورۃ الحدید پر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتابیں اور شریعت نازل کی، تاکہ لوگ عدل پر قائم ہو جائیں۔ اللہ کے دین کے قیام کے نتیجے میں معاشرے میں عدل قائم ہوگا۔ اور جب نظام کی تبدیلی کے لیے تحریک چلے گی تو جاری نظام سے جو لوگ مراعات حاصل کر رہے ہوں گے وہ اس کا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے، لہٰذا ان کے مقابلے کے لیے اللہ نے لوہا اتارا۔ گویا کہ انقلاب کے لیے تصادم ناگزیر ہے۔

دعائے مسنونہ پر پروگرام تقریباً ایک بجے اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

اُسرہ نوشہرہ کینٹ کا دعوتی اجتماع

اُسرہ نوشہرہ کینٹ کے زیر اہتمام ایک دعوتی پروگرام منعقد ہوا۔ نماز عصر کی ادائیگی کے فوراً بعد نقیب اُسرہ نوشہرہ کینٹ قاضی فضل حکیم نے "عبادت رب" کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔ عبادت رب کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم سے گفتگو کا آغاز کر کے زندگی کے چھ گوشوں میں اس کی ضرورت و اہمیت کو قرآن و حدیث، سیرت صحابہ کرامؓ، روزمرہ کی مثالوں اور اشعار سے واضح کیا اور کہا کہ ان تمام گوشوں میں اللہ کی غلامی و بندگی مطلوب ہے جبکہ عبادت رب کے محدود اور مسخ شدہ تصور نے ہماری زندگی پر مضر اثرات مرتب کئے ہیں اور باوجود نمازوں، روزوں اور نوافل کے ہماری زندگی میں وہ ثمرات پیدا نہیں ہو رہے جو عبادت رب کا حاصل ہیں۔

آخر میں "اللہ تعالیٰ کا انسانوں اور اہل ایمان سے مطالبہ" نامی کتابچہ شرکاء میں تقسیم کیا گیا۔ اس پروگرام میں اُسرہ نوشہرہ کینٹ کے 12، جبکہ خویشگی کے 32 رفقاء و احباب نے شرکت کی اور ایک حبیب نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ پروگرام کے اختتام پر شرکاء کی تواضع بھی کی گئی۔ (رپورٹ: جان نثار اختر)

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

تاثرات و تجاویز

اعجاز عنصر

تنظیم اسلامی کے کل پاکستان سالانہ اجتماع میں سیالکوٹ سے اڑتیس رفقاء اور احباب نے شرکت کی۔ واپسی پر ہفتہ وار اسرہ میٹنگ میں رفقاء سے کہا گیا کہ اجتماع کے انعقاد کے حوالے سے اپنے اپنے تاثرات بیان کریں اور یہ بتائیں کہ انہوں نے پروگرام کو کیسا پایا، انہوں نے کہاں کمی یا خرابی محسوس کی۔ رفقاء کا مجموعی تاثر یہی تھا کہ یہ پروگرام بہت عمدہ، مؤثر اور ایمان افروز تھا۔ رہائش گاہوں کا انتظام بھی بہت اچھا تھا اور رہائش گاہ کے اندر ہی کھانے کے انتظام نے وقت کی بچت میں اہم کردار ادا کیا۔ تذکیر کے حوالے سے دروس بھی لاجواب تھے۔ مذاکروں کو بھی بہت سراہا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ریلی کے انتہائی پرامن انعقاد کی بھی بہت تعریف کی گئی۔ اور پوری انتظامی ٹیم کی کارکردگی کو خراج تحسین پیش کیا گیا کہ اُس کی جانب سے محدود وسائل میں اتنے بڑے پروگرام کا کامیاب انعقاد یقیناً ایک ایسا لائق تحسین عمل ہے کہ جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

لیکن جہاں تعریفیں کی گئیں وہاں بعض حوالوں سے کچھ کمی بھی محسوس کی گئی۔ ایک بات یہ سامنے آئی کہ دوسرے دن کے پروگرام میں تقاریر کے پے در پے پروگرام انتہائی تھکا دینے والے تھے۔ ان میں وقفہ نہ تھا، لہٰذا اتنی طویل نشست میں اکتاہٹ محسوس ہوئی اور تقاریر پر پوری توجہ مرکوز نہ رہ سکی، اس لیے تجویز کیا گیا کہ ہر ایک گھنٹے کے بعد کم از کم پندرہ منٹ کا وقفہ ضرور ہونا چاہیے۔

دوسری بات جس کی طرف رفقاء نے توجہ دلائی وہ مذاکرہ تھا۔ جو صاحب مذاکرہ کروائیں انہیں پہلے سے اس موضوع پر عبور ہونا چاہیے، کیونکہ اجتماع میں سبھی رفقاء شریک ہوتے ہیں، جن میں سینئر رفقاء بھی شامل ہوتے ہیں جو طویل عرصے سے تنظیم کے ساتھ منسلک ہیں اور ان کی فکر پختہ ہو چکی ہوتی ہے، اور پوری تیاری نہ ہونے کی بنا پر مذاکرہ کروانے والا شخص بعض اوقات ان کی تشفی نہیں کر پاتا جس سے بدمزگی کا خطرہ ہوتا ہے۔

تیسری بات تنظیمی ساتھیوں کی کوتاہی ہے۔ وقفے وقفے سے اعلانات کے باوجود رفقاء گاہے بگاہے دروس کے دوران پنڈال سے باہر آتے جاتے رہے جو نہ صرف یہ کہ تنظیمی حوالے سے ڈسپلن کی خلاف ورزی ہے، بلکہ واسمعوا واطیعوا کی بھی منافی ہے اور اس کا اجتماع میں موجود احباب پر بھی منفی اثر ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں آئندہ سے ہر امیر تنظیم اور نقیب اسرہ کی سطح تک اس امر کو یقینی بنانے کی کوشش کی جائے کہ وہ جماعت جو سمع و اطاعت کے اصول پر استوار ہے، اُس کے رفقاء کا عمل اس کا مظہر بھی ہو۔

ریلی کے حوالے سے رفقاء کا کہنا یہ تھا کہ ریلی سے اصل مقصود مطالبات کا اظہار و اعلان ہوتا ہے۔ موجودہ ریلی میں یہ کام اس سے زیادہ بہتر انداز سے بھی ممکن تھا۔ رفقاء نے رائے دی کہ جس طرح عموماً تنظیمی مظاہرے کے دوران ہوتا ہے کہ رفقاء سڑک کے کناروں پر منکرات کے مخالف بینروں وغیرہ کے ساتھ چلتے ہیں اور ایک طے شدہ علاقے میں گشت کرتے ہیں، بعینہٖ ریلی میں ہونا چاہیے تھا کہ مینار پاکستان سے ایک آدھ کلومیٹر پہلے رفقاء گاڑیوں سے اتر کر اسی طرح مظاہرے کی صورت میں چلتے۔ یہ ایک بہتر شکل ہو سکتی تھی، جس سے کہ ایک عام آدمی تک تنظیم کا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔

ایک اور اہم بات جس کی طرف کچھ رفقاء نے راہنمائی کی یہ کہ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ اکابرین تنظیم، تنظیمی ساتھیوں میں اس طرح نہیں گھل مل پاتے کہ اجنبیت ختم ہو بلکہ سرسری سی ملاقات کے بعد بغیر کچھ کہے دوسری طرف نکل جاتے ہیں۔ خدانخواستہ اس سے رفقاء اکابرین کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو جائیں۔ کوشش کی جائے کہ یہ تاثر پیدا نہ ہو۔

اُسرہ نوشہرہ (خواتین) کا دعوتی اجتماع

نوشہرہ کی خواتین کے اسرہ کے تحت نوشہرہ کا ایک دعوتی اجتماع نوشہرہ کینٹ کے تعلیمی ادارہ ''دانش کدہ'' میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں خطاب کے لئے پشاور اُسرہ خواتین کی نقیبہ اہلیہ ضمیر اختر کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔ فاضل مقررہ نے ''قرآن اور خواتین'' کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اس رجحان کو غلط قرار دیا کہ جس کے مطابق قرآن فہمی کو صرف مردوں تک محدود سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خواتین اس ذمہ داری سے ہرگز بری الذمہ نہیں ہیں بلکہ قرآن حکیم میں خواتین کے حقوق و فرائض کے متعلق جو احکامات موجود ہیں اُن کا فہم حاصل کر کے ہی ایک عورت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کا کردار احسن طریقے سے ادا کر سکتی ہے۔ اس پروگرام میں رفیقات سمیت 50 خواتین نے شرکت کی۔ خواتین نے اس پروگرام کو سراہا اور درس قرآن کے سلسلے کو مستقل بنیادوں پر جاری رکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔ خطاب کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ آخر میں ''اللہ تعالیٰ کا انسانوں اور اہل ایمان سے مطالبہ'' نامی کتابچہ شرکاء محفل میں تقسیم کیا گیا۔ اس اجتماع کی انتظامی ذمہ داریوں کے لیے اُسرہ نوشہرہ کینٹ نے بھرپور تعاون کیا۔ (رپورٹ: اہلیہ عامر صدیقی)

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (I، II، III)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 3-5869501

"And proclaim to mankind the pilgrimage. They will come to you on foot and on every lean camel; they will come from every deep ravine that they may witness things that are of benefit to them..." Unlike any other pleasure trips you might undertake, you do not go on a Hajj pilgrimage with an entourage of relatives and servants to do your bidding. Anyone helping anyone else on this sacred soil does so with only one motive – Allah's pleasure. So stripped of our worldly props, which in a way define our very identity, we suddenly begin to see ourselves for what we are – very ordinary, helpless humans, afflicted by an irritable cough or a bad throat, going through the long walks from Mina to Arafat and back.

The only thing that gives you the grit to go through the journey is *Taqwa*, the most valuable and indispensable piece of baggage you are required to carry on your pilgrimage. In effect, it prepares you for perhaps a similar situation, though Allah knows best, on the Day of Judgment, when you stand before your Maker, with the baggage of your deeds – good or ill. If Hajj does not remind you of that day, with scores of humanity, like ants, though, far less disciplined, walking their way through the rituals, then you have missed, walking their way through the rituals, then you have missed the., 'spirit of the whole journey.

Hajj is a time for introspection, that rare journey through our inner self that we seldom undertake because we are too busy to stand and think, to look around us and marvel at Allah's creation, in all its flawless perfection, and think of our place in His scheme of things. Relieved of all our worldly responsibilities, albeit temporarily, we have both the time, the atmosphere and the humility to admit that, all that importance we ascribed to ourselves all through our lives was a mere illusion. If this pilgrimage does not lend you the humility to bend your head a little more, to be more tolerant of the mistakes of your near and dear ones, if it does not inculcate in you a sense of selfless service, to friend and foe alike, for no other reason than to seek Allah's pleasure, then you are missing a great message which Allah *(SWT)*, with His intricate knowledge of the human psyche, has tried to convey through this requirement of Islam.

Narrated Abu Hurairah, *(RA)*: The Prophet *(SAW)* said, "Whoever performs Hajj for Allah's pleasure and does not have sexual relatio[ns] with his wife, and does not do e[vil] or sins then he will return after H[ajj] free from all sins, as if he we[re] born anew." -*[Sahih Al-Bukhar[i]* Vol. 2, .Chapter XXXVI.]

If Allah *(SWT)* enjoined upon u[s] this sacred journey, He also made i[t] mandatory *once* in a lifetime. No doubt, Makkah is a place that draws Muslims, again and again to it, like a magnet, but the true Muslim is one who desires for others what he likes most for himself. So those of us who can afford it, should sponsor this pilgrimage for those of us who cannot, which is the only way as many Muslim brethren as possible can benefit from this experience of a lifetime.

[COURTESY:"YOUNG MUSLIM DIGEST"]

بقیہ: اداریہ

ٹوٹ ٹوٹ کر برسی۔ پاکستانیوں نے ہی نہیں، دنیا بھر کے عدل پسند لوگوں نے اس کی راہوں میں پھول برسائے۔ دنیا کی سب سے بڑی نیویارک کی بار ایسوسی ایشن نے اسے تاحیات ممبر بنایا۔ ہاورڈ لاء سکول نے اسے میڈل آف فریڈم دیا، یعنی اسے نیلسن منڈیلا کے ہم پلہ شخصیت قرار دے دیا۔ چوہدری محمد افتخار ایک پی سی او جج تھا۔ اس کے ضمیر کو حیاتِ نو ملی تو اس نے مظلوم عوام کے حق میں فیصلے صادر کرنے شروع کیے۔ حکومت نے اپنی طرف سے اسے کرسی سے اٹھا کر زمین پر پھینکا تھا، لیکن عوام نے اسے اپنی پلکوں پر بٹھا لیا۔ یہ تھا اس عدل کا نتیجہ جس پر قائم ہونے کا فیصلہ چوہدری صاحب نے کیا تھا۔

بعض لوگ اس تحریک کو ایک آدمی کی ذات کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ نادان یہ نہیں جانتے کہ یہ ایک شخص کی نوکری کا مسئلہ نہیں ہے۔ چوہدری محمد افتخار اگر چیف جسٹس کی حیثیت سے بحال ہوتا ہے تو گویا پاکستان میں جبر اور آئین شکنی کو قانون اور انصاف کے ہاتھوں شکست ہوتی ہے۔ لوگ فرعونیت کے سامنے دم مارنا سیکھیں گے۔ حکمران کو عدالت اور قانون کا مطلب سمجھ آئے گا۔ قانون کی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ قانون کی حکومت کا مطلب ہے اگر سرخ بتی کراس کرنے والے کو جرمانہ ہوگا تو آئین شکن کے گلے میں بھی پھندہ ڈالا جائے گا۔ وہ سب کے لئے یکساں طور پر حرکت میں آئے گا، جیسے چاند غریب کی کٹیا اور حکمران کے محل پر ایک جیسی چاندنی برساتا ہے۔ حکمرانوں کو جب یہ بات سمجھ آئے گی کہ وہ قانون سے بالا نہیں تو وہ غیر قانونی اقدام کرنے سے پہلے سوچیں گے۔ یہی مطلب سمجھانے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے فاطمہ نامی عورت کے حق میں زبردست سفارش کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: ''خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا''۔ یقین جانیے اگر پاکستان میں جبر اور ظلم کو عدل و انصاف کے ہاتھوں شکست ہوگئی تو پاکستان میں نفاذِ اسلام کا راستہ بھی کھلے گا اور لوگوں کو سرنگ کے آخر میں روشنی نظر آئے گی، لیکن اگر مصلحت آمیزی، حقیقت پسندی اور عملیت پسندی کے نام پر جھوٹے عذر گھڑے گئے اور حق کو اپنانے سے اعراض کیا گیا تو نفاذِ اسلام تو بڑی دور کی بات ہے، عدلیہ ایوانِ اقتدار کی کنیز بن کر رہ جائے گی اور عوام ظلم و جبر کے موجودہ نظام میں پستے رہیں گے اور پاکستانیوں کی قسمت میں اندھیروں کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: حکومت کفر سے نہیں ظلم سے تباہ ہوتی ہے۔ OO

ol: 17 Regd. No. LRL -50 No. 46

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore

Waheed Dawood

The Hajj: A Journey of Descovery

I begin in the name of Allah, the Most Beneficent, the Most Merciful. I often wondered why Allah *(SWT)* designated Hajj as one of the five pillars of Islam. Wasn't it enough to believe in the oneness of Allah, to pray five times a day, to fast and pay *Zakat?* Why the long tedious journey? When I set out for Hajj in December 2007, it was behind this mandatory requirement of Islam, as enunciated in *Ayah* 97 of *Surah Al - Baqarah:*

"Pilgrimage (Hajj) to the House, (Ka'ba) is a duty men owe to Allah – Those who can afford the journey; but if any deny faith, Allah stands not in need of any of His creatures."

I felt sure that no command of Allah's was without a purpose. I did everything possible to prepare myself for the journey, reading up material on the net, making notes, taking printouts, talking to *Hajees.* But when it actually happened, I found myself ill-prepared, for nothing anybody says or writes can prepare you for this most important journey of life. You just got to live it, first hand. Barring the journey of death, the greatest equalizer, this is the only journey which strips us of our worldly embellishments. The prince and the pauper alike subsist on more or less the same kind of food, wear the same type of clothes, and are stripped of all worldly frills. When your titles and status, servants and subordinates, who do your bidding, are suddenly taken away, you become aware of the stark truth about yourself, and where you stand in Allah's scheme of things. You rediscover your identity, sans the props of money and worldly comforts, none of which will go to your grave with you, and none of which will be with you when you stand before your Lord with the Book of Deeds in your hands. Even though we are all aware of this, the pilgrimage drives home the point, like nothing else can.

Narrated Abu Hurairah *(RAA):* the Prophet *(SAW)* was asked, "Which is the best deed?" He said: "To believe in Allah and His apostle." He was then asked: "Which is the next (in goodness)?" He said: "To participate in *jihad* in Allah's cause." He was then asked: "Which is the next?" He said, ..To perform *Hajj-Mabrur." -[Sahih Al-Bukhari,* Vol.2, Chapter XXVI.}

If ever you regarded yourself as pious and devoted to Allah's commandments, then you just have to be at the *Haram Shareef,* where you suddenly begin to wonder about how insignificant you are in comparison with all those people who must have walked this soil from Prophet Abrahim (PBUH) onwards; people whose life was one long continuous struggle and whole death was a message in itself. And remember when Prophet Abrahim (PBUH) and his son, Prophet Ismael (PBUH) were raising the foundation of the House, saying:

."Our Lord! Accept (this service) from us: Verily! You are the All-Hearing, All-Knowing. Our Lord, make us submissive to You, And show us our ways of worship. And accept our repentance. Truly: You are the one Who accepts repentance, Most merciful. [Ayah 127-128 *of Surah* Al-Baqarah]

The five days from Mina to Arafat to Muzdalifah and back to Mina arc a test in endurance, patience and resilience. The myth that you wait till all your worldly responsibilities are through before you perform Hajj, is just that – a myth. These five days test the endurance and the immunity levels of the fittest among us. Colds, coughs, throat infections are common ailments, not to mention the more serious ones. So being physically fit is extremely advantageous. The Hajj can be compared to a sumptuous spread – a spread of Allah's Mercy, Forgiveness and His Pleasure. How much you can grab, in the limited time available, from this spread depends on you physical abilities. Those fitter can help themselves to more then those struggling to keep erect. Hajj can be performed in a wheelchair as well, but again it is like a sumptuous meal before a sick man – how much can he eat? Do it while you are fit, for optimum satisfaction, and leave the rest to Allah's Mercy.

Coming back to the question of why Allah *(SWT)* decided to make one such journey mandatory in the life of every Muslim who can afford it? To revert back to the statement of Allah *(SWT)* in *Surah Al-Hajj,Ayah* 27-28: